



اے ضمیر آواز تیری رہبر منزل بنی
جب کوئی آیا مسافر راستہ بھٹکا ہوا

خواجہ ضمیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَدائے ضمیر



ہر عظمتِ حیات کی منزل دکھا گیا
میرا ہر ایک شعردائے ضمیر ہے



خواجہ غلام ضمیر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

○ نام مصنف	خواجہ احمد امین
○ حق واد صاحب نام نامی	حکیم میر حیدر صاحب
○ نام مجموعہ کلام	صدائے حمائر
○ تزیین و ترتیب	ادارہ محفلِ ادب
○ تعداد	ایک ہزار
○ سن اشاعت	ماہ جون ۱۹۹۳ء
○ سرِ ورق	جناب سید نجم الحسنی
○ کتابت	اردو کتابت گھر ۱۴-۸-۲۱۶ باغِ جہاں آرا و حیدر آباد
○ زیرِ اہتمام	حسینی اکیڈمی حیدر آباد دکن
○ طباعت	طابعو الکوک پریس چھتہ بازار
○ قیمت	تیس روپے

ملنے کے پتے

- خواجہ حمید میر مکان نمبر ۸۲/۲/۱۹۸/۳-۷ سٹوڈنٹس مسجد عائشہ یاقوت پورہ حیدر آباد
- اردو کتابت گھر مکان نمبر ۱۴-۸-۲۱۶ باغِ جہاں آرا و یاقوت پورہ حیدر آباد



میں اس مجموعہ کلام صدائے ضمیر
کو اپنے والدین کے اسمائے گرامی سے
معنون کرتا ہوں جن کی دعاؤں نے مجھے
سنوارا اور اس قابل بنایا ہے۔

خواجہ عاضد



۱۰	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	صدائے ضمیر کا اعتبار
۱۶	نظیر علی عدیل	صدائے ضمیر میری نظر میں
۲۱	ڈاکٹر سید عباس تقی	صدائے ضمیر ایک بازگشت
۲۸	الحاج مولانا محمد مظفر علی	تاثرات بر صدائے ضمیر
۳۰	خواجہ ضمیر	عرضِ حال مصنف
۳۳	حمید	فخارِ دو جہاں ہے تو ربِ قدیر ہے
۳۴	حمید	ہر اک دستِ طلب کا مدعا تو
۳۵	نعت	وہ دل کیا جس کی دھڑکن نام احمد تک نہیں پہنچے
۳۶	نعت	آسان نہیں جائزہ شانِ محمدؐ
۳۷		نذر میر تقی میر

غزلیں

۲۰۸ تا ۲۳۸

۲۰۹

نظیں — قطعات
متفرق اشعار

۲۱۱

۲۱۳

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۶

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

چراغ سیاست
کرگاہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

اتحاد

محقق گمان چند جین

ہم سفر

یکتا

تحفہ

شاعری

جشن آزادی

لباسِ چست

اردو

ندائے وقت

سادگی

نامہ منظوم (برادرستی بنام محمد عبدالکریم فرمقبول صاحب ایم اے متعلق)
نظم مسرت کامیابی مصمم (ختمہ قرابین بنام ایم اے کی بی بی کامیابی موقر)
عید

عید

۲۳۱

گیت

۲۳۲

کیا تمہیں یاد نہیں

۲۳۳

قطرہ (وزیر اعظم مسٹر راج گاندھی کے تفریحی جلسے میں یہ قطعہ سنایا گیا)

۲۳۴

اگادی

۲۳۵

قطعات (دختر اول حسمت بانو سلمہا کی پیدائش پر)

۲۳۶

قطعات

۲۳۷



ڈاکٹر عقیل ہاشمی
(ریڈ شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

حدائقِ ضمیر کا اعتبار

حکیم نوابہ ضمیروں صاحب سے میری بڑی دیرینہ شناسائی ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایم۔ اے (۱۹۷۳) کا طالب علم تھا، وہ اکثر و بیشتر بزمِ حسان کے ماہانہ مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے، اس کے بعد سے شہر میں ہونے والی مختلف محافلِ شعری میں موصوف سے ملاقاتیں رہیں وہ ہمیشہ اس عاجز کے مداح اور قدرداں رہے۔ پچھلے دنوں انہوں نے مجھ سے اپنے اولین شعری انتخاب حدائقِ ضمیر پر اظہارِ رائے کی خواہش کی اور میں کسی طور انکار نہ کر سکا۔ دراصل دنیائے علم و ادب میں یہ وسیعہ عام ہے کہ تصنیف و تالیف خصوصاً شاعری کے باب میں شاعر کے کلام اس کے فکر و نظر پر مقدمہ، پیش لفظ، تعارف و تقریظ کی کوئی نہ کوئی صورت ہو جس سے کتاب اور صاحب کتاب کی استوار و قابلیت کے ساتھ ساتھ اس کے علم و فن کے صحیح خد و خال سامنے آسکیں۔

نوابہ ضمیر حیدر آباد کے ان شاعروں میں سے ہیں جن کی شعر گوئی کو کوئی تیسری پینتیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرا ہو اگر وہ چاہتے تو اس دوران اپنے دو تین مجموعے شائع کر دیا سکتے مگر شاعر کے حالات نے اس کی اجازت کب دی کہ وہ "ہزاروں خواہشیں" ایسی کے ہر خواہش کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے۔

ذوقِ فطرت کو بدل یا پھر مری لٹا بدل زندگی دے شاعر برباد کی قیمت بدل
نعمتِ آرام سے کچھ درد کی لذت بدل اے بدلنے والے میری فکر کی صورت بدل
ورنہ میری شاعرانہ زندگی مٹ جائے گی

صفحوں کو نین سے زندہ دلی مٹ جائے گی (نظم شاعری)

چنانچہ مدائے ضمیر کا شاعر زندہ دل زندہ ضمیر شاعر ہے۔ پیشے کے لحاظ سے نوابہ ضمیر طبیب ہیں اور وہ یہ پیشہ آج بھی اپنی بے شمار کمزوریوں کے باوجود معتبر سمجھا جاتا ہے ویسے بھی ضمیر صاحب نیک نفس خاموش، بطح ملنسار ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے انہوں نے ابتداً حیدر آباد کے کہنہ مشق صاحبِ عروض حبیبکم وڈاکٹر استاد سخن سید ثامن علی نیساں سے تلمذ اختیار کیا لیکن جلد ہی استاد نے اصلاح سے بے نیاز کر دیا۔ مزید انہیں اپنے وقت کے مشہور اور اچھے شعرا کی ہمنشینی دہم جلیبی حاصل رہی جس نے ان کے ذوق و شوق کو ممیز کیا۔ شاعری میں یوں تو وہ کم و بیش سبھی اصناف پر دسترس رکھتے ہیں کیا نظم، کیا رباعی، قصیدہ ہو یا مرثیہ، حمد و نعت وغیرہ لیکن غزلی گوئی سے زیادہ

رغبت دکھائی دیتی ہے۔ غزل گوئی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ ہر شاعر غزل ہی سے اپنی شہر گوئی کی ابتداء کرتا ہے، عرصہ ہوا غزل نے ہماری تہذیب و تمدن کو سنوارنے اور سجانے میں اپنا حقد ادا کیا، میر غالب اور مومن نے اس صنفِ سخن کی روایت کو نئی راہوں پر گامزن کرنے کی دانستہ اور شعوری کوشش کی۔ جس کی وجہ سے غزل میں رمزیت، معنویت، تصوف و تفکرِ حدت و اسلوب کے وہ کرشمے دکھائی دیئے کہ ایک عالم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ غزل ہی ہے جس نے حسن و عشق کے ہمراہ رومانیت کی مختلف جہتوں کو اجاگر کیا یوں غزل گوئی کے موضوعات محدود نہ رہ سکے اور نہ ہی اس کی مقبولیت میں کچھ فرق آیا۔ اس کے ذریعہ انسانیت کے تقاضے، سوز و گداز، جذبات و احساسات، داخلیت و خارجیت سمجھی کچھ نمایاں ہو گئی، جو اب سماجی و سیاسی افکار و خیالات پس منظر و پیش منظر کے ساتھ انسانی حیات کی ترجمانی کھلائی طرفہ تماشہ بیسویں صدی کے ابتدائی تین چار دہوں میں شہری نظریات میں بڑی تبدیلیاں آئیں۔ مولانا حالی کی اصلاحات نے شاعری کا جو رنگ و آہنگ بدلا تھا وہ مزید ترقی پسند تحریک کی وجہ سے تیکھا ہو گیا اس جدت طرازی نے غزل گوئی کے رجحانات ہی نہیں بلکہ امکانات کے زاویے بھی بدل دیئے اور وہ تقلید کے دائرے سے نکل کر نئی منزلوں کی تلاش و جستجو میں مصروف ہو گئی۔ اس مرحلے پر غزل محض سروسے اور خول و خوش کرنے والی چیز نہ رہی بلکہ افکار انسانی اور ادکار حیات و ممت سے مملو ہو گئی

اس میں جدت پسندی نیچرل انداز افادیت کا پہلو نمایاں ہو گیا تاہم ان تمام نئے نئے امور کے باوجود بہترے شعرا نے روایت کی پاسداری کو برقرار رکھنے کی سعی وقوف کی ان میں اساتذہ سخن بھی تھے اور ان کے اکثر تلامذہ تھے چنانچہ حیدر آباد کی شاعرانہ فضا میں قدیم و جدید غزل گوئی کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے جہاں غزل گوئی کا ایک ایک خاص طور طریق رہا جس میں محسوسات اور واردات کی عکاسی ہوگی تو دوسری جانب ترقی پسندی کے تحت ادب کی افادہ کیفیات کو برتا جانے لگا۔ کچھ شعرا ایسے بھی تھے جنہوں نے قدیم طرز انشاء کو برقرار رکھا مگر خیالات و واقعات کی وسعت سے کبھی دامن کش نہ ہوئے انہی شعرا میں خواجہ ضمیر بھی ایک ہیں جنہوں نے اسی ہنج اور اسلوب کو اپنے لیے مناسب ہی نہیں بلکہ احسن جانا ہے

بنارہا ہوں لہو سے غزل کی لوگ پلک ضمیر اہل سخن کو ذرا خبر کر دو !!
سما رہی ہے غزل در غزل کوئی آواز یہ حسن کسی کا میری چشم انتخاب میں ہے

صدائے ضمیر کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر نے اپنی طبع موزوں کو شاعری کے عین مطابق ڈھال لیا ہے جس میں تغزل کی اپنی اہمیت وجودت ہوگی جہاں آہنگ احساس اور آہنگ سماغی کی حسین یکجائی نظر آتی ہے اس میں شاعرانہ تحقیق ہے اور تحریک و تاثر بھی، ترنم و توازن کے علاوہ وجد اور سرخوشی کے جذبات تسکین دلا پاتے ہیں مشہور انگریزی شاعر ورڈز ور تھ (WORD WORTH) نے جس چیز کو

STILL SAD MUSIC OF HUMANITY کہہ رہی خصوصیت

ہماری غزل کی آفاقیت اور عنایت کی روح رواں ہے اور شاعر کو دل و دماغ کی گہرائیوں تک پہنچانے کی ذمہ دار۔ خواجہ محمد سرکی غزل گوئی اسی کیفیت سے دوچار ہے ان کے ہاں وحدت خیال نہ ہوتے ہوئے بھی وحدت مزاج اور وحدت فکر کا غم ضرور ملتے ہے ان کی غزل میں موزونیت الفاظ کے ساتھ ساتھ جذبات روانی اور بے ساختگی نظر آتی ہے اور ان سب زیادہ شاعر کا طرز اسلوب

میں خود اعتمادی کا پہلو نمایاں ہو گا۔

سیخ چمکاؤ دُزار سجاو لوگو
فن کا انعام نہ فنکار کے سر کو ترے
کانٹے ہیں کہیں سنگ کہیں آگ کہیں سے
یہ راہ محبت ہے کچھ آسان نہیں ہے
ضمیر اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے
لہو جن کا چراغوں میں کبھی شامل نہیں ہوتا
خواجہ محمد سرکی ایک آگاہ و باخبر شاعر کی حیثیت سے ہمارے روبرو آتے ہیں ان کے
ہاں زبان و بیان ہے۔ خیال بندی کا طریقہ بھی شبیہ و استعارہ کا تہ کھماہ بن
انسانی احساسات کے اظہار کا قاعدہ اور خوب خوب کی تلاش و جستجو اپنی الہامی
کیفیات کے باد صاف ان کا لب و لہجہ مدہم مدہم سا لگتا ہے ان کے پاس نئے نئے
تجربات کا ادراک نہیں ملتا۔ مگر روایت کی پاسداری کا قرینہ و سلیقہ واضح ہو گا۔
وہ قدیم و جدید قدروں سے واقف صداقت اور موزوں خلوص و انسانیت کے
شاعر ہیں وہ غزل کے مزاج و مرتبہ کو مجروح ہونے نہیں دیتے جبکہ اپنی غزلوں
میں یکجہتی و انہماک طرز استدلال کی روش کو اپناتے ہیں کہیں کہیں لطیف

اور تمثیل استفادہ سے بھی کام لیتے ہیں اور اسی سے وہ انسان اور مسائل حیات و کائنات کو جاگر کرنے کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں انہوں نے طرف و اسلاف کے حالات و واقعات سے صرف نظر کرنا نہیں سیکھا تاہم کے اظہار میں جذباتی رویہ نہیں اپنایا۔

تیرے غم کو لگ کے سینے سے میری تقدیر مسکرائی ہے
آتش غم دل کی روشنی نظر آئی میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے ٹیلوں میں
جو ساتھ رکے بھی تنہائی میں شامل ہو وفاترستی یہی لیے ہمسفر کے لیے

عبادت مختصر: صدائے ضمیر کو ہم یقیناً ایک زندہ ضمیر کی آواز کہہ سکتے ہیں بوقت قاری اور سامع کو چونکا دیگی۔ خواجہ ضمیر پر گو خوش کلام شاعر ہیں۔ دل میں تحت اللفظ شعر پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں ان کے ہاں زندگی ریں اپنی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں جہاں تلخ و شیریں پست و بلند اور برے ہر طرح کے تجربات و احساسات ملتے ہیں اور شاعر اپنی حقائق کو لسانیہ کے پیرہن میں ظاہر کر دیتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ ان کا یہ اولین انتخاب حیدرآباد ہی نہیں بلکہ ملک کے دیگر ادبی حلقوں میں بہ نظر استحسان دیکھا جائیگا۔ صدائے ضمیر کی اس اشاعت پر میں دلی مبارکباد دیتے ہوئے انہی کے اس

پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

دل میں نظر میں خیال و خواب میں ہے میں کے سمجھوں کہ جلوہ ترا نقاب میں ہے

ڈاکٹر عقیل ہاشمی
(ریڈر شہزادہ عثمانیہ لونیوٹی)

از منزل کنگ کوٹھی {
3-5-780/18/ حیدرآباد اپنی

صدائے ضمیر میری نظر میں

بیشتر شعراء کے سلسلے میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ ان کے فکری تجربے ہی ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہوتے بلکہ اظہار کی ہئیتیں بھی یکساں ہوتی ہیں۔ شاید یہ غزل کی صنف کا جبر ہے جو بہت جلد نئی ترکیبوں، اصطلاحات اور پیکر و لہجہ کو بھی معمولات کے دائرے میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کا ایک اور سبب شاعری کے پس منظر میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شعراء نے بعض حسّی اور فکری مسائل کے اظہار کو متنوع شاعری کے لئے اساسی درجہ دیکر، تنہائی، مستقبل کا خوف، گھر اور معاشرے کے بکھرنے کا احساس ہمارے غم کے مسائل ہیں اور ان کے بیشتر پہلو ایک جیسے ہیں لہذا حالات کے ردِ عمل میں بھی کسی قدر یکسانیت کا ہونا ناگزیر ہے۔ شاعری صرف بیان واقعہ کا نام نہیں کیونکہ یہ کام اخباروں کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے یہاں ضرورت اجتماعی تجویزوں یا عام تہذیبی مسائل کو اپنے ذاتی اور انفرادی رویے سے سمیٹ کر کرنے کی اور اپنے تخلیقی سفر میں اظہار اور ہیئت کی نئی

سموں تک پہنچنے کی ہے۔ مسائل اور موضوعات کے تعارف کے ہزاروں وسیلے ہیں لیکن سچی تخلیقی استعداد اپنے ہی باطن کی قوت اور شعور کی برکت و بصیرت کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے یہ دولت ہنر کیاب ہے۔

جنابِ نوابؒ، خضامیں کا امتیاز یہ ہے کہ وہ صاف ستھرے اور منظم طریقے سے ان کے تجربات کے اظہار کا ہنر جانتے ہیں زبان و بیان کے رموز سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان پر قادر بھی ہیں جن کلمے ساختہ لہجہ اور نکیلہاں اچھی غزلوں کا مذاق رکھنے والوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شاعری بہ حیثیت مجموعی احساس کی زبان ہے جس کو فکر کی گہرائی، طرزِ بیان کے تنوع، ذاتی علامت اور شعور کی صحت مند روایات سے آراستہ کیا جائے تو ابلاغ میں پوری طرح کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ نوابؒ، خضامیں ابلاغ کی ضرورت کے اس طرح قائل ہیں۔

اے بے خبر حقیقت کون دمکال ہیں ہم

ہر شئیہ حیات کی روح رواں ہیں ہم

بس اک فہم ہے ہر سرمایہ حیات

لے چل بچا کے گردشِ شام و سحر مجھے

انہوں نے اس زلمے اور اس ماحول میں آنکھیں کھولیں جس زمانے اور ماحول میں صنفِ غزل تفریحِ طبع اور کربِ بازی کا شرکار ہو چکی تھی اور اس سے غزل کے وہ اوصاف جو غزل کو جانِ سخن بنائے رکھتے تھے ایک ایک

کر کے رخصت ہوتے جا رہے تھے ایسے زمانے اور ماحول کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔ لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی احساس فکر کو زندہ اور تابناک رکھنے کے لئے بڑی کاوش اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے۔

اے ضمیر آواز تیری رہبر منزل بنی

جب کوئی آیا مسافر راستہ بھٹکا ہوا

تیرے غم کو لگا کے سینے سے

میری تقدیر مسکرائی ہے

شاعری کی آفاقیت کی راہ میں مذہبی ادارک اور شعور کی موجودگی ایک

تجدیدی عنصر ہے۔ بہ الفاظ دیگر اچھی اور بڑی شاعری غیر مذہبی موضوعات ہی کی

بنیاد پر وجود میں آ سکتی ہے اس کی بھی کئی مثالیں ان کے پاس موجود ہیں۔

حسن ہر تعمیر کا قائم ہے میری ذات میں

میں وہ مٹی ہوں مجھے چھانٹو تو کیا ملتا ہے

ضمیر اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے

لہو جن کا چراغوں میں کبھی شال نہیں ہوتا

آتش غم دل کی روشنی نظر آتی ہے

میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے ٹکڑوں میں

خواجہ کا ضمیر شاعری کرتے ہوئے اب عمر کی اس منزل میں ہیں

جو فکر کی پختگی اور زبان اور بیان کو سادگی عطا کرتی ہے۔ سیدھے سادھے اور

عام لفظوں میں کوئی بات کہی جائے تو وہ سننے والوں اور پڑھنے والوں کو چونکا دیتی ہے۔

لڑکھڑاتے ہیں جہاں لوگ محبت میں ضمیر
ہم وہاں بھی ہیں قدم اپنے جمانے والے
زلزلے، طوفان، آندھی، گردشیں
اک تری چشم غضب کا نام ہے

شاعری کا یہ دور ادوار گزشتہ کے مقابلے میں بڑا نازک ہے اس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو شعراء کی بہتات ہے دوسرے مجموعہ ہائے کلام کی بہ کثرت اشاعت ہے۔ مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت اور ماحول مقرر ہیں۔ یعنی شعراء جب کہنہ مشق ہو جائیں اور ان کے پاس خاطر خواہ ذخیرہ کلام جمع ہو جائے تو مجموعہ ہائے کلام کی اشاعت یقیناً ہونی چاہیئے اس کے برخلاف دیکھنے میں یہ آہل ہے کہ ایسے شعراء جن کی مشق سخن چار پانچ سال کی بھی نہیں ہوتی۔ ساٹھ ستر غزلوں پر مشتمل اپنے مجموعہ ہائے کلام پھپھو کر میدان میں کود پڑتے ہیں نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ان کی نکاسی نہیں ہوتی اور وہ کتب فروشوں کی دوکانوں پر شو کمیس کی زینت بنے ہوئے رہتے ہیں۔ دوکانوں پر کتابیں خریدنے کے لئے آنے والے نظر اٹھا کر تک انہیں نہیں دیکھتے۔ مجموعہ ہائے کلام کا یہ وہ حسرت ناک پہلو ہے جس کا احساس بہت جلد متعلقہ شعراء کو ہو جاتا ہے اور وہ دیکھ کی غذا بننے

سے پہلے ان کو اپنے دوست احباب میں مفت تقسیم کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں جناب خواجہ صاحب کے مجموعہ کلام "حدائے ضمیمہ" کے ساتھ ایسا حادثہ پیش نہیں آئے گا۔ کیونکہ ایک تو وہ ادبی حلقوں میں کافی مشہور و مقبول ہیں۔ دوسرے ان کی مدتِ شعر گوئی کی صراحت کے ساتھ ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت کا اعلان جب اخبارات میں شائع ہوگا تو شائقینِ شعر و ادب یقیناً اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کو خرید کر پڑھیں گے۔

میں آخر میں انہیں "حَدائے ضمیمہ" کی اشاعت اور اس کو ہر باضمیمہ تک پہنچانے کی کوشش پر مبارکباد دیتے ہوئے اپنی نیک تمناؤں وابستہ کرتا ہوں۔

(نظیر علی عیال)

بیتِ انظیر
۱۹۰۲-۲۳
مغل پورہ حیدرآباد کو آپ کی طرف
۵۰۰۰

مدائے ضمیر - ایک بازگشت

خواجہ محمد ضمیر صاحب حیدرآباد کے ان گنے گنے شعراء میں شمار ہوتے ہیں، جن کا کلام محض مشاعروں کے لئے وقف نہیں ہوتا بلکہ انڈوپاک موثر رسالوں کی زینت بھی بنتا ہے۔ ضمیر صاحب کا کلام سننے سے ایک خاص قسم کی مسرت ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت زبان کے بھی شاعر ہیں اور بیان کے بھی، زبان کی مٹھاس اور ہی لطف دیتی ہے تو لفظوں کا انتخاب اور ہی طرح محظوظ کرتا ہے۔ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ کس مضمون کو کس انداز سے کہنا چاہیے۔ کثرتِ مطالبہ اور قوتِ مشاہدہ نے ان کی شاعری کو جلا بخشی ہے۔ فطری صلاحیت اور خدا داد قابلیت ہے کہ وہ بے ارکان کہتے چلے جاتے ہیں، غزل، نظم، رباعی، قطعات، مثنوی، مستزاد، ترجیع، بند، ترکیب، بند، مسدس، مخمس، شاعر کی وہ کون سی وادی ہے جہاں سے ضمیر نے آواز نہ دی ہو۔

ان کی شاعری ان کے جذبات کے آئینہ دار ہونے کے علاوہ ایک دنیا کے سب دوس اور وجہ موعظت بھی قرار پاتی ہے۔

خواجہ ضحاک صاحب پیشہ کے اعتبار سے طبیب ہیں نفسیات کے علم نے انہیں اور بھی فیاصل بنا دیا ہے۔ طبع انسانی کے وہ پارکیک ہی نہیں معالج بھی ہیں۔ جسمانی امراض کے علاوہ روحانی، قلبی اور اخلاقی امراض بھی دور کرنے میں اپنی خدمات پیش کی ہیں اور بھلہ شد کا میاب رہے ہیں، فی البدیہہ شعر کہنا جناب ضمیر کا خاصہ ہے اور یہی چیز انہیں ہم عصر شعرا میں ممتاز گردانتی ہے چنانچہ آل انڈیا ریڈیو سے جب فی البدیہہ مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا تو جو ہر نمائی کا گویا مفتح ہاتھ لگا۔ شعرا نے اپنے کمال کا مظاہرہ کیا۔ خواجہ ضحاک صاحب نے فی البدیہہ مرصع غزل کہ کر سامعین کو متاثر کیا اور شعرا سے داد تحسین حاصل کی۔ فی البدیہہ شعر کہنا انتہائی ذہانت اور قوت گویائی کا متقاضی ہوتا ہے اور ضمیر میں یہ دونوں چیزیں دریوت ہیں۔

صاحبانِ ذوق کو یاد ہو گا کہ ایک مشاعرہ میں وہ معتمد تھے اور شاعری میں مستمدی فرما رہے تھے یعنی جب شاعر کو زحمت سہی دیتے تو ایک شعر فی البدیہہ جس میں شاعر مذکور کا نام ہوتا، تذکر کرتے۔ اس سے ایک خاص قسم کی فضا بن گئی تھی۔

خواجہ ضحاک صاحب کم و بیش چالیس سال سے شعر کہہ رہے ہیں۔

اور اب تک انہوں نے کئی مجھوٹے کہہ ڈالے ہیں، تاہم شکر ہے کہ اب ان کا ایک انتخاب شائع ہونے کی تہدید باندھ رہا ہے۔ ضمیر کی صلاحیتیں محض شاعری تک محدود نہیں بلکہ وہ لائقِ نشر بھی ہیں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی ہے جب انہوں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا تو وہ اس جولانِ گاہ کے بھی مردِ قرار پائے اور "جذباتِ ضمیر" کے سرنامے سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا جو ایک دنیا کے لئے مہر و خصال ثابت ہوتا لیکن حکومت کی عدم سرپرستی اور اردو والوں کی عدم دیکھی اور وسائل کی عدم فراہمی کے سبب بند ہو گیا۔

ضمیر نے شاعری اور طبابت اپنے والد بزرگوار حکیم میر حیدر رضا رحمت مرحوم سابق مہتمم شفا خانہ نظامیہ سے ورثہ میں پائی ہے۔ پہلے پہل انہوں نے اپنا کلام حکیم ثامن علی صاحب نیساں کو دکھایا جو اپنے وقت کے استاد تھے۔ زائل اور محض اپنے بل پر شاعری کرنے لگے۔ سماع کی اکثر محفلوں میں قوال حضرات ضمیر کا کلام سنا کر داد و تحسین و انعام کثیر پاتے ہیں اور مختلف غزل کو فنکار ساز پر ان کا کلام پیش کرتے ہیں۔

ضمیر فنِ عروض کی پابندی کو شاعری کی بنیاد مقصور کرتے ہیں اور جو شاعری کے مضامین عروض سے میسر ہوتی ہے اسے شاعری نہیں سمجھتے اچھے شعروں کی وہ فراخ دلی سے داد دیتے ہیں اور تحسین میں خلاصت

انہیں برستے۔ ضحائر صاحب کو میر وغالب کے بے شمار اشعار ازبر ہیں۔ اساتذہ کے بیشتر کلام کے وہ گھنٹوں محفل کو گرم رکھ سکتے ہیں۔ یہ ان کے اعلیٰ شعری مذاق پر دلالت ہے۔ ضحائر نے قوم و ملت کا درد پایا ہے۔ قومی یک جہتی کے وہ علمبردار ہیں، یگانگت اور آشتی کے وہ شیدائیں۔ صلح پسند طبیعت پائی ہے۔ اختلاف و تنقید ان کے مزاج کی چیزیں نہیں۔ شہرت کی انہیں چاہ ہے نہ مقبولیت کی انہیں آرزو بلکہ وہ شہرت کو ایک طرح کی رسوائی سمجھتے ہیں تب ہی تو کہے ہیں۔

ہے ضحائر اپنے کو ہرگز نہ نمایاں کرنا
شہرت عام بھی اک طرح کی رسوائی ہے

حالات سے سمجھوتہ کرنے اور مصلحت پسندی کو وہ ناپسند کرتے ہیں وہ شاعر ہی نہیں مکتبہ بھی ہیں، حق گوئی و بے باکی ان کے کلام کا طرہ امتیاز ہے۔ انہوں نے جو سوچا بعینہ لکھ دیا۔ تردد و تکلیف سے وہ بری ہیں، یہاں ان کی ایک نظم کے چند مصرعے پیش کیے جاتے ہیں جس میں فیشن پرستی کو ہدف ملامت بنایا ہے۔

لباس نو کے پردے میں متاعِ حسنِ عربیہ ہے نئے فیشن کی بے باکی پر چشمِ شرم حیراں ہے
لکر کی ہر لچک گویا حیاتِ نو کا عنوان ہے ترقی کی یہ حالت دیکھ کے تہذیب گریاں ہے

ہیں چٹا کوئی حسنِ تقدسِ حسنِ خواباں پر
ہے داغِ بزمائیِ جبرہ تہذیبِ انساں پر

زبانِ اردو پر یوں تو کئی شعرا نے طبع آزمائی کی ہے مگر ضمیر کی آواز
اور ہی لطف رکھتی ہے اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو

اردو

تو گلشنِ نظر میں ادب کی بہار ہے فکر و شعور و علم کی سرمایہ دار ہے
تیری حبیب سے حسنِ غزل آشکار ہے دیکھ علم میں تو بڑی باوقار ہے
روشن تجھی سے غالب و چکبست کا ہے نام
دنیا میں سر بلند ہے اردو تیرا مقام

ضمیر غزل کے شاعر، سی۔ اور غزل میں کلاسیکیت کے ساتھ
ساتھ نئے اسلوب اور نئے لہجے کو اپنی پہچان کا وسیلہ بنایا ہے، پامال
راہوں میں بھی نئے گل کھلاتے ہیں، فکر اندازِ بیاں اور انتخابِ لفظیات
نے ان کی غزل کو ایک شان بخشی ہے وہ پرانی قدروں کی ایک لخت پر
بھی نہیں ہوتے اور نئے دور سے دامن کش بھی نہیں، اس طرح کے
امتراں نے ان کی غزل کو دوسرے شعرا سے ممتاز کیا ہے میں اپنی
بات کی دلات میں یہ چند شقارین کی نذر کرتا ہوں۔

خلوصِ دل سے ملو دوستو کبھی مجھ سے
میں ایک شمع ہوں لے جاؤ روشنی مجھ سے

میں نے سینہ سے لگایا اس کو بھی یاد دہو
جو زمانے میں زمانے کا ہے ٹھکرایا ہوا

حیدر آباد کن میں اب بھی اردو کی قسم
پرچم شہر و سخن ہر سوا ہسرایا ہوا

نہ ملے گا کوئی اشکوں کے خریداروں میں
لے کے جاؤ نہ یہ موتی کبھی بازاروں میں

وہ ہزاروں میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں
نام جن کا انہیں چھپتا کبھی اخباروں میں

رہبری کا ان کو دعویٰ حیف ہے حدیف ہے
وہ قدم بھی اپنے قدموں پر جو چل سکے اپنی

تجھ کو اہلِ سخن نے اجنبی سمجھا ضمیر
ردِ محفل تھا کبھی بیکارہ محفل ہے آج

پڑھنے کا فن ہے تجھ میں تو چہر کو پڑھ کر
آواز دل کے چہرے کی تحریر بن گئی

میں اپنے بزرگ دوست جناب خواجہ صاحب
کی خدمت میں ان کی پہلو نہٹھی تصنیف کی اشاعت تہ دل سے ہدیہ تبریک
پیش کرتا ہوں اور خدائے عزوجل سے ملتی ہوں۔
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے۔

ڈاکٹر سید عباس متقی غفرلہ

17.3.194/13
شیر بنگر۔ یاقوت پورہ
حیدرآباد۔ ۲۳



الحاج مولانا محمد مظفر علی صاحب مدیر صحیفہ
(صدر آل آندھرا اردو نوڈ پیپرس فیڈریشن)

تاثرات پر صدائے ضمیر

”صدائے ضمیر“ کے مصنف جناب حکیم خواجہ ضمیر صاحب سے میری زاید از (۲۵) سال سے شناسائی ہے، یہ مولوی حکیم میر حیدر صاحب رحمت ہستم شفا خانہ کے فرزند ہیں، مرحوم حکیم صاحب نہ صرف ماہر طبیب بلکہ نامور ادیب و شاعر گذرے ہیں، جناب حکیم خواجہ ضمیر کو علم و ادب و شعر و سخن ورثہ میں ملا ہے موصوف ہر صنف سخن میں شعر کہنے کی کامل صلاحیت رکھتے ہیں، صوفیہ رنگ میں اردو کا نفرین مستعد ہوئی تھی، محفل شعر و ادب میں مشہور زمانہ شاعر ادیب پروفیسر ڈاکٹر شاذ ٹکنٹ نے صدارت فرمائی تھی، اس کانفرنس میں مشاہیر حیدر آباد کے علاوہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب سرینواس لالہ بھی شریک ہوئے تھے، جناب حکیم خواجہ ضمیر نے کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کیا تھا اور صدر محفل ڈاکٹر شاذ ٹکنٹ نے ان کے کلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالی تھی۔

ہرم اکبر جس کی بنیاد والد بزرگوار بابائے صحافت، محمد علی ملت
حضرت مولانا مولوی محمد اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ روزانہ نے ۱۹۳۱ء میں ڈالی تھی، اب کے
(۱۳) سال بعد حضرت ۳۰ مارچ ۱۹۶۳ء کو اس جہاں سے کوچ فرمائے۔ ہرج ایک ہرم

قائم و جاری ہے، اس بزم کے زیر اہتمام ہر ماہ شاعرے منعقد ہوتے ہیں جناب خواجہ ضمیر بھی برابر حصہ لیتے رہتے ہیں ایک دھاقہ قبل یہ بزم کے معتبر بھی رہیں

غزل ہو یا نظم، سلام ہو یا منقبت و نعت یا حمد، رباعیاں ہوں قطعات، جناب خواجہ ضمیر کا اسلوب بیان خصوصیت کا حامل محسوس ہوا اور سامعین پر اثر انداز پایا گیا۔ ان کے اشعار میں نہ صرف شوکت لفظی ہوتی ہے بلکہ دل کو نہوہ لینے والی کیفیت بھی سامعین کے دل و دماغ پر اشعار کا کیف دیر تک باقی رہتا ہے۔

موصوف کا کلام میری نظر سے گذرا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک کتاب کا مضمون اپنے میں سمو لیا ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ صاحب تصنیف کا کلام نہ صرف مقامی اخبارات و رسائل میں شائع ہوا ہے بلکہ بیرون ریاست مشہور جرائد و اخبارات نے کلام شائع کر کے سراہا ہے، یہ کہا جائے تو نا درست نہ ہوگا جناب ضمیر صاحب بے پناہ صلاحیت رکھنے کے باوجود تہی دست رہے، بہت پہلے ہی وہ اپنے کلام کو چھپوانا چاہتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا، اب بمشکل اس کو زیور طباعت سے آراستہ کر سکے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ قدر دان اس مجموعہ کلام کی قدر و منزلت فرمائیں گے۔

پیش نگاہ خدمتِ اردو زبان رہی

ان کا کلام طالبِ انعام کیوں رہے (منفرد)

محمد مظفر علی
ڈیرہ صحیفہ

صحیفہ بلندنگ، غنیم پورہ
چند آباد، ندھرا پریش

یہ عرضِ حال میرا صدائے ضمیر ہے یعنی عطاے رحمت ربِ قدیر ہے

خدا کا شکر ہے کہ آج میرا پہلا شعری مجموعہ کلام بنام "صدائے ضمیر" ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں، میرا شعری سفر تقریباً چالیس سال سے جاری ہو رہا ہے لیکن قارئین حضرات کی خدمت میں یہ میرا پہلا شعری مجموعہ کلام ہے۔ مخلصانِ فکر و نظر و پرستانِ شعر و ادب کے ذوقِ سلیم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان نامساعد حالات کے باوجود "صدائے ضمیر" اردو ایڈیٹری حکومتِ آندھرا پردیش کی اعانت سے پیش کر رہا ہوں۔

شاعری کیا ہے، تخلیقِ حقیقی اور ذاتی کہ وہ کادش کا نام ہے، حیات و موت کے مختلف پہلوؤں کو تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اجاگر کرنا اور بامقصد شعر کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

مجھے بید حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ بعض شعراء شاعری کی کثرت یعنی بسیار گوئی و مجموعوں کی اشاعت سے اپنے کلام پر اتارتے ہیں اس لیے کہ انہیں قدیم فارسی و اردو اساتذہ کے کلام سے عدم واقفیت ہے۔ اساتذہ نے زبان کی لطافت و بیان کی نزاکت کے ساتھ ساتھ قادر الکلامی کا جو ثبوت دیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ میں ان کے آگے اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا بلکہ

یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ گردِ پا بھی کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔

(۳۵) سال قبل میرے استاد محترم حکیم وڈا کر میر ثامن علی نیساں مرحوم

کی سرپرستی میں پہلے پہل میں نے مشاعروں میں کلام سنانا شروع کیا تھا۔

میری شاعری میرے لطیف احساسات و جذبات کی عکاسی ہے میری شاعری میرے ٹوٹے ہوئے دل کی ترجمانی ہے۔ میں اس بات کو قارئین تک پہنچانا نہ چاہتا ہوں کہ عہدِ حاضر کے تقاضوں کو اور زندگی کے مسائل کو اور سوچ و فکر کے بدلتے ہوئے زاویوں کو جب عہدِ گئی سے پیش کرنا چاہتا ہوں تو خیالات آتش فشاں کی طرح اُبھنے لگتے ہیں مگر علم کی کم مائیگی مانع ہو جاتی ہے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کے کرم نے شاعرانہ فطرت عطا کی ہے اور خصوصاً بھی ودیعت فرمائی ہے۔ جس کی بناء پر میں ایک شاعر کہلا رہا ہوں میں نے اس طویل شعری سفر میں اپنے آپ کو کسی گردِ پے سے وابستہ نہیں رکھا اور نہ ہی کسی کو اپنے سے جدا سمجھا میں نے ہمیشہ اپنے سے سنیو شعراء کرام کا ہتھ دل احترام کیا ہے اور نوجوان شعراء کی کافی حوصلہ افزائی کی ہے، میں جانتا ہوں کہ ہر شاعر اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق شعر کہتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کا عطا ہو جاتا ہے تو مبتدی بھی منہتی سے بڑھ چڑھ کر شعر کہ لیتا ہے، اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، ایسی بہت سی مثالیں دنیا کے ادب میں موجود ہیں میری شاعری محض تفریح کا سامان نہیں بلکہ حقیقت پسندی، ان رواداری، بنی نوع ان کی ہمدردی، خلوص فکر، عظمتِ حیات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس بات سے قارئین کرام ہرگز ہرگز یہ مطلب

نہ لیں میں احساسِ برتری کا شکار ہو گیا ہوں میں نے اپنا سطحِ نظر عرض
 کیلئے۔ اگو میں اپنے معاصرین کا تذکرہ نہ کروں تو یہ ادبی خیانت
 منظور ہوگی۔ مگر میرے اجاب بالخصوص شعراءِ برادری کا حلقہ
 اتنا وسیع ہے کہ میں فرداً فرداً نام لکھوں تو فہرست کافی طویل ہو جائے گی
 حضرت شیخہ احمد اللہ محمد حمہ الحسینی صاحب ساجد بندہ نوازی (دھانی)
 نے "صدائے ضمیر" کی ترتیب و اشاعت کے سلسلہ میں کافی تعاون فرمایا ہے
 جس کا میں شکر گزار ہوں۔

امید ہے کہ قارئین "صدائے ضمیر" پر ضرور کان دھریں گے
 اور اس جذبہ سے ضرور سرشار ہوں گے۔ "صدائے ضمیر" حق کی آواز ہے
 مجھے یقین کامل ہے کہ یہ آنے والی نسل کے لئے مشعلِ راہِ شعرو سخن ثابت
 ہوگی، عالمِ جہدِ مسلسل میں عصری آگہی کا شعور پیدا کرنے کی حتی المقدور
 کوشش تو کی ہے مگر اس کی کامیابی قارئین پر منحصر ہے۔

خلوصِ دل سے ملو دوستو کبھی مجھ سے
 میں ایک شمع ہوں لے جاؤ روشنی مجھ سے

خواجہ ضحیر

حَمْدِ بَارِئِ تَعَالٰی

مختارِ دو جہاں ہے تُو ربِّ قَدِیر ہے
بندہ ترا حقیر و فقیر و ضعیف ہے

تُو افضل ہو جلے جس پر خدایا	وہ قطر بنے اک سمندر خدایا
تُو امثال کوئی نہ ہم سر خدایا	تُو اعلیٰ تُو بہتر تُو بڑھ کر خدایا
کہیں جسز کہیں کُل ہے منظر خدایا	نہ سمجھا، سمجھ میں بھی آ کر خدایا
ہم ایمان لانے میں تجھ پر خدایا	مُحَمَّدؐ کے کلمے کو پڑھ کر خدایا
عُدو کہہ نہ دیں ہم کو محتاج یا رب	کو کم چاہیے تیرا ہم پر خدایا
سوا تیرے دَر کے کہاں جائے بندہ	نہیں کوئی بھی تجھ سے بڑھ کر خدایا
تری حمد کیا کر سکے کوئی بندہ	ہے تیرا آن تیرا آشنا کر خدایا
یہ فرشِ زمیں ہو کہ عرشِ بریں ہو	یہاں پر خدایا دہاں پر خدایا
تری شان یکیتا، تری ذات یکیتا	تُو بے رنگ ہے رنگ بن کر خدایا
تُو کافی تُو شافی تُو قادر تُو ناظر	حدِ عقل میں آے کیوں کر خدایا
تُو اول تُو آخر تُو ظاہر تُو باطن	ہر اک چاٹو ہی تُو ہے یک سر خدایا

نبیؐ کی محبت رہے میرے دل میں
ضمیمہ اس سے ہو گا مستور خدایا

حمد پاک

ہر اک دستِ طلبِ کامدعا تو
ہے حاجت مند کا حاجت روا تو

تری اس شانِ یکتائی کے صدقے	ہر اک میں رہ کے بھی سب سے جدا تو
ہماری ابتدا کیا انتہا کیا	ہماری ابتدا تو انتہا تو
تقدیر میں تجھے کس طرح لائیں	حدِ ادراک سے ہے ماورا تو
تجھے بھولیں تو بھولیں کس طرح ہم	ہمارا سب ہی کچھ ہے اے خدا تو
ترے محتاج ہیں دونوں ہی عالم	الہی مالکِ ارض و سما تو
صدائے بے صدا کو سننے والے	کبھی سن لے مرے دل کی صدا تو
بنظر والوں نے دیکھا ہے ہمیشہ	ہر اک زرہ میں ہے جلوہ نما تو

ضمیر بے نوا کی التجا ہے
بڑھا اس کی طرف دستِ عطا تو

نعت شریف

وہ دل کیا جس کی دھڑکن تادمِ احمد تک نہیں پہنچے
نظر وہ کیا جو اس نورِ مجید تک نہیں پہنچے

دیکھ کر کسی کا سبز گنبد تک نہیں پہنچے
اٹھے طوفانِ لیکن شمعِ مرقد تک نہیں پہنچے
برادرِ عوی ہے وہ فیضِ محمد تک نہیں پہنچے
وہ کیا سمجھیں گے جو ایمان کی حد تک نہیں پہنچے
پڑھے قرآن مگر قرآن کے مقصد تک نہیں پہنچے
وہ کیا دیکھیں گے جو خود شوقِ بیدار تک نہیں پہنچے
نگاہ و فکر جب جسمِ مقید تک نہیں پہنچے
محمد کے سوا کوئی مری حد تک نہیں پہنچے
مگر باوصف اس کے قربِ احمد تک نہیں پہنچے
یہاں رُوحِ الامین دہلیز کی حد تک نہیں پہنچے
جب اہلِ عرشِ خود اس نور کے قد تک نہیں پہنچے
غلامِ محمد کی ابھی حد تک نہیں پہنچے

بہاریں ٹھلکی اس کے مقدر میں نہیں ہوتیں
نبیؐ تو پھر نبیؐ ہیں جاں نثاروں کی عظمت ہے
محبت ہی نہیں ہے جن کے دل میں آلِ اطہر کی
محمدؐ تک پہنچنا ہی خدا تک ہے پہنچ جانا
نہ ہو حُجَّتِ نبیؐ تو علم ہو گا حَسْرَتِ بے معنی
تجلی کا وہ عالم میں فقط وحدت کی کثرت ہے
نبیؐ کا نورِ باطن دیکھنے کی تاب کس میں ہے
شبِ اسرئی قدم کو چوم کر یہ عرش کہتا تھا
مہ و انجم نے کی ہے جہِ سائی مُدّتوں در پر
ادبِ ذکر کر آرامِ گاہِ سرودہ دیں گا
نبیؐ کی شان کو یہ فرش والے کس طرح سمجھیں
مقاماتِ محمدؐ مصطفیٰ کو کیا وہ دیکھیں گے

ادھر جلوہ، ادھر پردہ، یہاں واصل، وہاں شامل
ضمیر اس پر بھی ہم میمِ مشدّد تک نہیں پہنچے

نعت شریف

آسان نہیں جائزہ شانِ محمد
سمجھو تو مقاماتِ غلامانِ محمد

خورشیدِ قیامت سے ملائے گاہِ نظریں	جو ذرہ ہو وابستہ دامنِ محمد
ایمان نے بنایا ہے دھوا اپنے لہو سے	ہے آلِ نبیؐ روحِ گلستانِ محمد
ملتی ہے حیاتِ ابدی اس کو ہمیں سے	ہو تلے جہاں کوئی بھی قربانِ محمد
ثابت ہے پسِ نظرِ لولاک لہما میں	ہے النفسِ رآفاق پہ احابِ محمد
معراج میں چومے قدمِ عرشِ بریں نے	اللہ رے اللہ رے یہ شانِ محمد
ایمان مرا احمد مختار کا صدقہ	توحید کی اجر الٰہ ہے فیضانِ محمد

کہجئے نہ ضمیرِ آپ کچھ اندیشہٴ محشر
تھامے ہوئے رہیے دامنِ محمد

نذر میر تقی میر

یوں تو مجھے ہزاروں اہل سخن

تیری طرزِ بیاں نہیں ملتی

تیری غزلوں میں جو بیاں ہے نثر

وہ کسی کو زبان نہیں ملتی

غزلیات



بے نقاظ

سوکھ کر گئی اگر کھلا ہوگا

اہل دل کا لہو ملا ہوگا

دردِ دل کی دہی دوا ہو	دردِ حسد سے اگر سوا ہوگا
حوصلہ اس کا حوصلہ ہو	مسکرا کر الم سہا ہوگا
حیدرِ ادراک سے سوا ہو	اگر احساسِ روح کا ہوگا
ہم کو اس کا ہی آسرا ہو	وہ ہمارا ہے وہ ہمارا ہے
اس کا ہی دل کو آسرا ہو	ورد اللہ کا کرو ہر دم
دل وہ دراصل کام کا ہو	گر ہو احساسِ سارے عالم کا
ہم کو کس کس کا واسطہ ہو	دردِ دل آگ اور محسوس
درسِ علم و عمل ہو اپنا	جہکا ہر کا ہے گھر کا گھر سارا

اس کی آمد اگر ادھر ہوگی

سوکھا سوکھا ہرا ہرا ہوگا



ذوقافیت

ہر سانس کر رہی ہے اقرار زندگی کا
مکرتے ہیں پھر بھی نادل انکار بندگی کا

ہم نے کہاں کیلے اظہار تشنگی کا	ساقی ہے ہم سے باقی معیار میکشی کا
ہم نے سجا لیا ہے دربار عاشقی کا	کچھ درد ہے کچھ آنسو کچھ زخم ہیں کچھ آہیں
تم ذکر چھڑ دینا اک بار دوستی کا	کھل جائے گی حقیقت اپنا ہے یا پرایا
ہے دوست حسن تیرا شہکار دل کچی کا	دیکھا ہے جس نے تجھ کو دیوانہ ہو گیا ہے
دیدار ہے تمہارا دیدار چاندنی کا	تاریک زندگی میں تم چاند بن کے آؤ
دروازہ کھٹکھٹ کر اک بار زندگی کا	لہو خود سے ملے پچانے لگا خود کو

سینچا ہوسے اکثر ہم نے ضمیر جس کو
شاداب ہو گیا وہ گلزار شاعری کا



اس طرح کچھ ہم ان کی نظر سے گذر گئے
جیسے کہ راہِ برق و شرر سے گذر گئے

کیا جانے کیا گذر گئی اربابِ عشق پر
احساسِ دورِ شام و سحر سے گذر گئے

اللہ کیا امیدوں کے طوقاں کا زور تھا
دو اشک میرے دیدہ تر سے گذر گئے

اے تلخیِ حیات تر سے نشترِ الم
دل میں جگہ بنا کے جگر سے گذر گئے

پاسِ دُعا ہے شکوہِ احساس کیا کریں
بادلِ ستم کے سینکڑوں سر سے گذر گئے

کیا ذکرِ دوست کا کوئی دشمن نہیں ملی
ایسی بھی ایک راہِ گذر سے گذر گئے

کس درجہ پہل ہو گئی عزم و عمل کی راہ
جس وقت محوِ راہِ سفر سے گذر گئے

اچھا ہوا جن میں نشیمن نہ بن سکا
خوفِ نگاہِ برق و شرر سے گذر گئے

اب غم ہے کس کو گردشِ دورانِ اے فقیر
جب حادثاتِ شام و سحر سے گذر گئے



قدم قدم پہ ہیں کچھ خار رہ گئے رکے لئے
خوش نصیب سہولت تو ہے سفر کے لئے

تجلیوں کی تمنا تو عام ہے لیکن
شعورِ دید بھی لازم ہے کچھ نظر کے لئے

سرنیاز جھکانا تو سب کو آتا ہے
جبینِ دل کی ضرورت ہے سنگِ در کے لئے

جو ساتھ رہ کے بھی تنہائی میں نہ حائل ہو
وفا ترستی رہی ایسے ہم سفر کے لئے

یہ کائنات طلسماتِ ہست و بود ہے
وجود رکھتا ہے ہر ذرہ دید و دور کے لئے

سحر مہوی تو درو بامِ اجنبی ہٹیرے
لڑے تھے ہم کئی راتوں سے جس بحر کے لئے

چلیں جھکے تو اٹھے نقشِ آستانِ لکر
اک ایسا سجدہ ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے

ضمیر درد کو کیوں میر دل کی یاوائی
ربانہ جب کوئی دامن بھی چشمِ تر کے لئے



ہو اس طرح آبِ برِ ابھرے ہوئے جاب کئی
نرم رہے نہ ہوں دریا میں پہلے دتاب کئی

بٹی نہیں ہے کسی خواب کی جے تعبیر
مگر نگاہ نے دیکھے حسین خواب کئی

خبر بھی ہے تمہیں یارو کہ ناخداؤں نے
ڈھونڈیئے ہیں سفینوں کو زیرِ آب کئی

خلوصِ دل سے پکارا اگر کوئی تجھ کو
ہر ایک سمت سے آنے لگیں جواب کئی

یہ کون رشکِ بہاراں یہاں سے گزرا ہے
بڑے ہیں ماہ میں بکھرے ہوئے گلاب کئی

وہ ایک لمحہ خدا جانے کھو گیا ہے کہار
حیاتِ شام دسحر نے کئے حباب کئی

بغور تم مری تصویرِ زندگی دیکھو
میں گے اس میں ڈلنے کے انقلاب کئی

ضمیرِ ضبطِ غم زلیست کا بھرم رکھنے
پھلے میں بے تسمین اضطراب کئی



صبح کو صبح شب کو شب دیکھا	دُرخ و گیسو کو ان کے جب دیکھا
ہم نے ہر اک کو تشناب دیکھا	نفسِ پیخانہ کچھ عجب دیکھا
زندگی تو نے مجھ کو کب دیکھا	ساتھ رہ کر بھی عمر بھر میرے
لطف دیکھا تر اغضب دیکھا	النفات اور بے رُخی کی قسم
ابنی ہستی کو تو نے کب دیکھا	ساری دنیا کو دیکھنے والے
زلزلت کو موت کا سبب دیکھا	تیری درپردہ ہر نہیں میں دوست
اک تبسم جو زیر لب دیکھا	خود ہی کلیاں گلاب کی بکھریا
کیسے سمجھوں کس نے سب دیکھا	خود کو دیکھا نہ عمر بھر جس نے
جب تہی دامنِ طلب دیکھا	اشکِ غم خود ہی بن گئے موتی

اس زمیں اور آسماں کو ضمیر
میں نے محوئے ثنائے رب دیکھا





تڑپا سکا نہ ایک بھی زخمِ جگر مجھے
دیکھے گا کوئی کس طرح با چشمِ تر مجھے

بھڑکیا ڈرا سکے گی راہِ بُرِ خطرِ مجھے
خود آپ ہی بنالیں اگر ہم سفرِ مجھے

راہِ حیات میں نہ مرا ساتھ دے سکا
جس نے قدمِ قدم پہ کہا ہم سفرِ مجھے

نقشِ قدمِ کسی کے تصوّر میں آگئے
پر وہ انہیں ملے نہ ملے سنگِ درِ مجھے

بس اک ضمیر ہے مرا سرمایہٴ حیات
لے چل بچا کے گردشِ شامِ دسحرِ مجھے





جو شراب آنکھ سے چھلکتی ہے
 وہ کہاں ساغروں میں ڈھلتی ہے
 ان کے چہرے پہ زلف لہرائی
 صبح کے ساتھ شام چلتی ہے
 فرش کا کیا ہے عرش کا نپ اٹھ
 آہ دل سے اگر نکلتی ہے
 ہم سفر ہو گیا ہے رہ جب سے
 زندگی میرے ساتھ چلتی ہے
 نہ تو جیتے ہیں نہ تو مرتے ہیں
 جانے کب تیرے جان نکلتی ہے
 بعد مر دن بھی میرے مرقد پر
 بے بسی شمع بن کے جلتی ہے
 ان سے آنکھیں مل رہے ہو ضمائر
 جن کی آنکھوں میں برق پلکتی ہے



کون ڈرتا ہے یہاں اب گردشِ ایام سے
 ہم ہمیشہ ملتے آئے ہیں گلے آلام سے
 کون سی آواز تھی دروازہ گھر کا کھل گیا
 ہو گیا آباد آخر دل کسی کے نام سے
 قیرا ملنا زندگی تیرا نہ ملنا موت ہے
 کس قدر دالبتہ ہے تو میری صبح و شام سے
 آپ آئے ہیں سرِ بالیں جگہ کے لئے
 تھک تھکا کر زندگی جب سو گئی آرام سے
 میکشی پر میری ساقی رشک کرتے ہیں سبھی
 پی رہا ہوں مست آنکھوں کے چھلکنے جام سے
 سانس رکتی جا رہی ہے بھٹتا جاتا ہے دل
 سسے ملتے ہوں آغاز کے انجمام سے
 کون جانے زندگی دراصل کس کا نام ہے
 نبض لیکن چل رہی ہے ایک تیرے نام سے
 موت سے گھبرانے لگے گیا جیوں کے ضمیر
 موت بھی پائی ہے ہم نے زندگی کے نام سے



تم مری راہ پہ آجائے تو اچھا ہوتا
 کیوں ہر اک لغزش بے جا کا تماشا ہوتا
 یہ بھی سوچا ہے کبھی تو نے بتا وقت پرست
 وقت گر ساتھ نہ رہتا تو ترا کیا ہوتا
 دیکھ سکتا نہیں تم کو رنگِ جاں سے نزدیک
 کاش خود میری نگاہوں کا نہ پردا ہوتا
 وقت کی بات ہے اے حسنِ مسیحا بیکر
 عشقِ بیمار نہ ہوتا تو مسیحا ہوتا
 رخنائی کے ہیں اجزاء مرے آب و گل میں
 مٹ بھی جاتا تو ترا نقشِ کفِ پا ہوتا
 یوں نہ ہوتے کبھی اربابِ محبتِ ناکم
 کاش اظہارِ محبت کا سلیقہ ہوتا
 فکرِ امروز میسر ہی نہیں جن کو ضمیر
 دل میں کس طرح سے ان کے غم فردا ہوتا



ان کی نظروں میں محبت کے خزانے دیکھے
 جنبش لب پہ تپتی کے رواں تھے دریا
 عالم ہوش ترستار ہا تعبیروں کو
 تیرا معصوم لڑکپن تیرا سنجیدہ شباب
 صرف اک پردہ دل میں ملی ان کی صورت
 مر مٹے آپ ہر بے نام فدائی کتنے
 ان کے دامن میں مچلتے ہرے اشکوں کا قسم
 قید ہستی کا جہنم غم نہ رہائی کی خوشی
 رہنما اپنا سمجھتے تھے جو دیوانوں کو
 اسی آئینہ میں سمو آئینے خلف دیکھے
 حق نگر آنکھوں میں رحمت کے خزانے دیکھے
 دیکھنے کو تو کئی خواب سہلنے دیکھے
 ہم نے اے حسن تیرے دونوں زمانے دیکھے
 میری نظروں نے کئی آئینے خانے دیکھے
 جن کو عنوان نہ ملا وہ بھی فلانے دیکھے
 ہم نے بکھری ہوئی تسبیح کے دانے دیکھے
 اس سلیقے کے نقطہ تیرے دیوانے دیکھے
 ہم نے ہر دور میں ایسے ہی سیانے دیکھے

ضبطِ غم کا وہی انداز ضمیر آج بھی ہے
 گوبدلے ہوئے ہر بار زمانے دیکھے



کہیں تماشہ نہ ہو اشک کی روانی سے
نکلتی دیکھتی ہیں چنگاریاں بھی پانی سے

ڈرانہ تجھ کو تو آلامِ زندگانی سے
گذر گیا ہوں کھا زخمِ ناگہانی سے

نہ عزمِ نو سے نہ ہمت نہ جانفشانی سے
ملے گی راہِ فقط ان کی مہرِ بانی سے

کبھی تو دیکھ لے روادِ زندگانی پٹھ کمر
ہزاروں عنواں ملیں گے اسی کہانی سے

تجھے بھی موت میں چاہوں تو زندگی دکھوں
اگر ہے پیار تجھے میری زندگانی سے

ابھی ہے وقت ذرا کر لے خدمتِ انساں
تو کمر نہ جائے سفرِ اس جہانِ فانی سے

ہر ایک لفظ دھڑکنے لگتا ہے دل بن کر
بنامِ شعرِ مری فکر کی روانی سے

ہے دل میں عکسِ رُخِ یارِ جاہیں جلوہ
ضمیرِ انہی ہے پہچانِ اس نشانی سے



سجدے قلب و نظر کے در پر ہیں
 چشمِ بینا کے خم یہاں سر ہیں
 ان کے ہاتھوں میں حق کے ساغر ہیں
 پینے والے ترے مقدر ہیں
 سر چڑھاتے ہیں پھول کے بدلے
 تیرے عاشق جنوں پرور ہیں
 ہر نفس میں خبر ہے جلوؤں کی
 کون جانے کہ ہم کہاں پر ہیں
 اللہ اللہ یہ فیض ہے ان کا
 قطرے خود بھی یہاں سمندر ہیں
 معرفت ہے کلام میں جس کے
 اے ضمیر آپ وہ سنخورد ہیں



عشق کو جہاں میں مثل راہ بر رکھا
 بڑھ کے میرے قدموں پر منزلوں سہر رکھا
 اشکِ غم کو بیتا ہوں سکر کے جیتا ہوں
 ضبط نے مرے آخر غم کو معتبر رکھا
 کیا خبر سمٹ آیا تیرے جلوے کب اس میں
 شوقِ دل نے پھیلا کر دامنِ نظر رکھا
 بجلیوں کے گرنے کا جس جگہ پہ خطرہ ہے
 ہم نے آشیاں اپنا اس مقام پر رکھا
 خواہشوں کو ہم یارب کس طرح کریں پورا
 زندگی تو دی لیکن رقت مختصر رکھا
 ہے یہ تجربہ میرا خالقِ مجتبیٰ نے
 اہلِ عشق کے دل میں عشق کا اثر رکھا
 ہم نے آس مٹنے کی دل میں عمر بھر رکھی
 تم نے وعدوں پر زندہ ہم کو عمر بھر رکھا
 اے ضیاءِ جلووں کا اک جہاں تھا انظر میں
 خود نگاہ نے لیکن ہم کو بے خبر رکھا



تارِ کیوں میں نور سا پھیلا رہے ہیں ہم
 ذروں کو کائنات کے چمکار ہے ہیں ہم
 سمجھو تو آسماں کی بلندی بھی کچھ نہیں
 سوچو تو کس کا نقشِ کف پار ہے ہیں ہم
 آنسو گرے کہ غم کی امانت چھلک گئی
 اظہارِ غم کے ساتھ ہی بچتا رہے ہیں ہم
 اے کاش زندگی کو میسر ہو لطفِ دید
 اب اسیرِ وحدہ، فردا رہے ہیں ہم
 اے عہدِ نو یہ سلسلہ جو رتا کجا
 کب سے حیاتِ شوق کو بہا رہے ہیں ہم
 ہم سے نہ وہ ملے کبھی ان سے نہ ہم ملے
 یں مثلِ رنگ و بوسد ایک جا رہے ہیں ہم
 زینتِ لغت کا حرفِ حقیقت الے ضمیر
 باطل کاہر فریبِ حسیں کھار ہے ہیں ہم



اس کو تہ تیغ کی پلکوں سے چنا جاتا ہے
حق کی خاطر جو سردار چڑھا جاتا ہے

ہم کو رسوا سیر بازار کیا جاتا ہے	امتحان اپنی وفاؤں کا لیا جاتا ہے
اٹھ کے محفل سے کوئی اہلِ وفا جاتا ہے	عمر بھر آپ اُجالوں کے لیے ترسیں گے
اور اجالا سیرِ منیا ربٹا جاتا ہے	پست ذروں کے مقدر سے اندھیرا نہ گیا
آشیانہ جو بہاروں میں چلا جاتا ہے	ہمد و خوابِ رہائی کی یہ تعبیر نہ ہو
کیوں چرلے آج سیرِ شام بچھا جاتا ہے	آج کی شب یہ مری آخری شب ہے شاید
تیرا دیوانہ بتری دھن میں چلا جاتا ہے	راستہ سوچ رہے ہیں ابھی اہلِ دانش
اوڑھ کے خونِ تمنا کو چلا جاتا ہے	سُرخ آنچل میں سُرخ ز چھپا کر کوئی
خونِ دل اشکوں کے مانند بہا جاتا ہے	آپ جب آئیں گے کچھ بھی نہ ہے گا دل میں
تیرے دامن میں سلتے کو چلا جاتا ہے	نہ ملی جب بھی گھنگار کو دنیا میں پناہ

روشنی سے کہیں محروم نہ ہو جائے ضمیر
کوئی سورج جو تصور سے ہٹا جاتا ہے



ان کے کوچہ میں عجب شانِ مسخانی ہے
مرنے والے نے تو مرے بھی بقا پائی ہے

تیری ہرجائی میں اک عظمت یکتائی ہے
زندگی آج مجھے ایسی جگہ لائی ہے
دل صد چاک سے اشکوں سے شناسائی ہے
ہم نے اک ایسا گلستاں بھی دیا ہے تیرے
خود مری ذات میں ہے عالم رویا پنہاں
خوابِ غفلت سے اٹھو نیند کے مارو جاگو
وہ مری آئینہ کاری کا ہنر کیا دیکھے
کہندو الفاظ پرستوں سے کہ چہرہ پرکھ لیں
ہنس کے بھولوں کی طرح کانٹوں سے مل کر دیکھو
ہم تو پروردہ طوفان ہیں ہمیں بچاؤ
تیری یکتائی پہ قرباں تیری ہرجائی ہے
جس جگہ کوئی تماشہ نہ تماشا لائی ہے
زندگی میرے قریب آ کے قہجھتی لائی ہے
برق چمکی ہے تو بھولوں کو ہنسی آئی ہے
اور ہوں گے وہ جنہیں شکوہ تہنائی ہے
کچھ خبر بھی ہے قیامت کی سحر آئی ہے
جس نے تقدیر سے پتھر کی نظر پائی ہے
دل کی روادار نگاہوں میں سمٹ آئی ہے
شور اٹھے گا گلستاں میں بہا ر آئی ہے
اہل ساحل کو کہاں ہم سے شناسائی ہے

اے ضمیر اپنے کو ہرگز نہ غایاں کرنا
شہرتِ عام بھی اک طرح کی دھواں ہے



ساتھ رہ کے بھی یہ ڈر ہے نہ جدا ہو جاؤں
 چاہتا ہوں ترے سایہ کی ادا ہو جاؤں
 تجھ سے اس طرح قوی ربطِ محبت ہو جائے
 میں ترے دل کے دھڑکنے کی صدا ہو جاؤں
 کاش میں تیرے لئے راہِ وفا میں مٹ کر
 عالمِ ہوش میں تمثیلی وفا ہو جاؤں
 وادیِ عشق کے آلام میں جینے کمال
 یہ تو آسان ہے جب چاہوں فدا ہو جاؤں
 کاروانوں کو ملے گا تری منزل کا نشان
 میں اگر راہ میں نقشِ کف پا ہو جاؤں
 اس قدر تیری رضا پیشِ نظر ہے میرے
 زلیست سے بھی تری خاطر میں خفا ہو جاؤں
 ان کی اک ادنیٰ توجہ کی ضرورت ہے ضمیر
 سرِ بلندی میں فلک سے بھی سوا ہو جاؤں



میں نہیں شمس اور قمر کے لئے
یہ تو ہیں میری رہگذر کے لئے

تو کہاں ہے ہر اک نظر کے لئے
زادِ راہ کی مجھ نہیں پروا
اللہ اللہ وہ کیا جلوہ تھا
غم پہ اوروں کے جو ترپ جائے
خاک سمجھیں عظمیتِ انسان
ایک پل بھی نہ وہ ملا مجھ سے
میں کسی جلوے کو بھی کیا دیکھوں
جو بصیرت نواز ہوتے ہیں
رگِ افکار سے لہو پٹکے
دارِ فانی میں کچھ نہیں ملتا
ہر نفس میں خبر ہو جلوؤں کی
تو ہنریر نہ ہو کبھی نازاں

تیرا جلوہ ہے دیدہ ور کے لئے
تو رہے ساتھ بس سفر کے لئے
بو سے آنکھوں نے خود نظر کے لئے
درد وہ چاہیے جگر کے لئے
جی رہے ہیں جو لعل و زر کے لئے
دل ملا جس سے عمر بھر کے لئے
جلوے خود ہیں مری نظر کے لئے
وہ ترستے نہیں سحر کے لئے
ہے یہی امتحاں ہنر کے لئے
ہم مقامِ حیات ہر کے لئے
غیر ممکن ہے ہر بشر کے لئے
عیب پیدا ہوا ہنر کے لئے

آئینہ گہے آئینے میں ضمیر
دعوتِ فکر ہے نظر کے لئے



اک لفظِ محبت نہ ہوا جن سے رقم بھی
دعویٰ نہ کریں وہ کہ میں ہم اہلِ قلم بھی

ہو جائے نہ بیکار وجود اور عدم بھی
وہ رہبر منزل بنے نسبت تری پا کر
اے زندگی تحریر تیری ختم نہ ہو جائے
اغیار کا احسان اٹھانا نہ پڑے گا
اے اہلِ جہاں بے سرو سامان نہ سمجھنا
دیکھو توالت کر بھی اوراقِ بہاراں
غزلوں کو بھی عشق کی آوازیں ڈھالو
جینا ہے تو رکھنا ذرا جینے کا بھرم بھی
چلنا نہیں آتا تھا جنہیں ایک قدم بھی
آئی ہے اجل ہاتھ سے لینے کو قلم بھی
ہیں دل کو دکھانے بہت اجاب کے غم بھی
حاصل ہے مجھے دولتِ نسبت کا بھرم بھی
ساحل بھی ہے دریا بھی ہے اندھ بھی ہوم بھی
تم ساز جو بن جاؤ تو پھر سوز میں ہم بھی

زندہ ہے ضمیر اک اسی نسبت کی بدلت
ہے سر پہ مرے آپ کا دامانِ کرم بھی



راہی کوئی نہیں ہے کوئی رہنما
 جس راہ پر چلا ہوں کہیں نقشِ پا نہیں
 سجدے سرے زماں و مکاں سہیں بے نیاز
 گہبے بتکدے سے کوئی رابطہ نہیں
 دل ہے کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں
 اے شیخ تیرا ایک بھی سجدہ روا نہیں
 بے کیف سی ہے رات تو بے لطف صبح ہے
 صبح تو یہ ہے کہ جینے میں کچھ بھی مزہ نہیں
 شام و سحر بہار و خزاں رنج و انبساط
 کوئی بھی انقلاب کی زد سے بچا نہیں
 تنقید کر رہے ہیں وہ اشعار پر ضمیر
 شعر و سخن سے جن کو کوئی واسطہ نہیں



جو اپنے آپ جی لے وہ کسی قابل نہیں ہوتا
جسے ہو زعم آگاہی کبھی کا مل نہیں ہوتا
خدا کا نام لینا سعی لا حاصل نہیں ہوتا
اگر ہو حوصلہ تجھ میں تو کیا اے دل نہیں ہوتا
نہیں کہتے ہم اس در کو سخی کا در نہیں کہتے
نظر دالوں کو ہر جلوہ نظر آتا ہے قدرت کا
جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں وہ پا جا میں غصہ کو
ترا قاتلی تو چھپ کر وار کرتا ہے سہ تجھ پر
ہمارا حوصلہ دیکھو و فور غم میں ہنستے ہیں
تلاطم آشنا ہوں مجھ کو طوفانوں پہاڑ ہے
ہمیں ہر حال میں وہ دیکھ کر بھیچا لیتا ہے

نہ ہو انسانیت کا در جس میں دل نہیں ہوتا
شکستہ یا مسافر بہر منزل نہیں ہوتا
مسافر لاکھ طوفانوں میں بے ساحل نہیں ہوتا
نمٹا غم کے طوفانوں سے بھی مشکل نہیں ہوتا
جہاں پر ہاتھ پھیلا یا ہوا سا نکل نہیں ہوتا
یہاں پر کوئی پروردہ بیچ میں حائل نہیں ہوتا
یہ مشکل کام بھی ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا
جو ترے سامنے آجائے وہ قاتل نہیں ہوتا
ہماری گفتگو میں غم کبھی شامل نہیں ہوتا
میری کشتی نہیں ہوتی مرا ساحل نہیں ہوتا
تمہارا چاہنے والا کوئی غافل نہیں ہوتا

ضمیمہ اکثر انہیں میں روشنی تقسیم ہوتی ہے
لہو جن کا چراغوں میں کبھی شامل نہیں ہوتا



اے بے خبر حقیقت کون دسکاں ہیں ہم
 ہر شعبہ حیات کی روح رواں ہیں ہم
 کیوں کر کہیں کہ آپ کے جلوے نظر میں ہیں
 سرگشتہ خیال و قیاس و گماں ہیں ہم
 پہونچے ہیں ہم کہاں تری تصویر دیکھ کر
 تو کیا سمجھ سکے گا کہاں تھے کہاں ہیں ہم
 مدت ہوئی بہار چمن سے جلی گئی
 گدڑی ہوئی بہار کی اک داستان ہیں ہم
 خوفِ خزاں چمن میں تھا یاد بہار بھی
 محرابیں بے نیاز بہار و خزاں ہیں ہم
 وہ دن بھی تھے کہ راہِ برکاتینات تھے
 یہ دن بھی ہر کج گردِ پسِ کارداں ہیں ہم
 دنیا کا ہر چمن ہے ہمارا چمن ضمیر
 اہل چمن سمجھتے ہیں بے آشتیاں ہیں ہم



یہاں انساں کو اپنا غم نہیں ہے
 شعورِ عظمتِ آدم نہیں ہے
 ہزاروں منزلیں تخلیق کر لیں
 مگر عزمِ سفر محکم نہیں ہے
 بھلا کیا لذتِ غم مل سکے گی
 تبسمِ گر شریکِ غم نہیں ہے
 عبادتِ مسخ ہے، بے روح سجد
 وہ سجدہ کیا اگر دل خم نہیں ہے
 مرادِ وقِ جنوں بھی تھک گیا ہے
 تیرا عالم بھی وہ عالم نہیں ہے
 نظر ہو تو پڑھو چہروں کی تحریر
 نمایاں ہے کہیں مدھم نہیں ہے
 کہو ٹکرائیں تو ٹکرائیں کس سے
 ضمیر ان حادثوں میں دم نہیں ہے



آپؐ بخ اہیؐ کفیمؐ کی میرے قلب پر تنویر پر
 آہ پہلی ضرب ہے یہ عشق کی تعمیر پر
 دفعتؐ تہریں لگیں میرے لبِ تعمیر پر
 بات ٹھیری جب کبھی تفسیر و تفسیر پر
 منظر حسن و محبت کس قدر دلکش ہے دیکھ
 سایہ افکن ہیں مری نظریں تیری تفسیر پر
 ہم نشیں بہتر یہی ہے روک لے اپنی زباں
 دل ہے برہم مصحفِ احساس کی تفسیر پر
 کھینچ کر لائی انہیں آہ محبت دیکھ
 رشک کرتا ہے زمانہ پھر مری تقدیر پر
 اے اسیرِ ظلم تیرے خون کی تحسیر نے
 روشنی ڈالی ہے اک اک حلقہ زنجیر پر
 ان کے جلوؤں میں یکایک میری نظریں کھو گئیں
 روپڑا میں اپنی چشم شوق کی تقدیر پر
 آج کل ہے آپؐ کا نامہ بھی مجھ سے ہم کلام
 وہم ہوتا ہے مجھے تفسیر کا تحسیر پر
 ابتلا سے مبتلائے درد ہوں یوں تو ضمیر
 پھر بھی کیوں الزام رکھوں کا تب تقدیر کا



کامیابی فضلِ رب کا نام ہے	حسنِ ظنِ حسنِ طلب کا نام ہے
صبح تیرہ شام دھندلائی ہوئی	کیا یہی اب روز و شب کا نام ہے
سن پرستار جنوں دہریت	ہر زبانِ حالِ رب کا نام ہے
کیا مرتبِ داستانِ غم کروں	آپ کے لب پر طرب کا نام ہے
رنگِ گل رنگِ چین رنگِ بہار	آپ کے رخسار و لب کا نام ہے
کتے ہیں جو آشیاں رکھتے ہیں	اہلِ گلشن میں تو سب کا نام ہے
زلزلے طوفاں آندھی گرکشیں	اک تیری چشمِ غضب کا نام ہے
علم و دانش سے سوا اے اہلِ بخشش	شاعری فیضانِ رب کا نام ہے
کیا وہ سمجھیں لذتِ دردِ حیات	جن کے ہونٹوں پر طرب کا نام ہے

جس کو کہتے ہیں سبھی خواجہ ضمیر
خادمِ شعرا و رب کا نام ہے



آستانِ دیراں ہیا دل کہاں ہیا سینوں میں
ایک سجدہ حق کا دم نہیں جبینوں میں

ہم اشارہ کرتے ہیں وقت کے حسینوں پر
تم فلک نشینوں میں ہو کج دل نشینوں میں

ایک بھی قدم ہم تو بے محل نہیں رکھتے
گو نہیں توازن اب دردِ غم کے زینوں میں

آتشِ غمِ دل کی روشنی نظر آئی
میرے سرخ اشکوں کے ٹوٹے نگینوں میں

جن کی نکتہ چینی میں ذاتیات شامل ہوں
فن کی آبرو کیا ہو ایسے نکتہ چینوں میں

کس طرح وہ طوفاں پر فستح پائیں گے آخر
دوب جائیں دل جن کے خود بخود سفینوں پر

تم ضمیرِ زندہ ہو مسکلاؤ ہر غم پر
یہ بھی اک قرینہ ہے عشق کے قرینوں میں



وہ اپنے لیے کہہ بیگنا سے سمجھا نہیں برسوں
عجب انداز سے دل میں رہا میرے مکین برسوں

غزل سن کر مری کیا بات ہے اے ہم نشیں برسوں
پہاڑ فکر میں آ رہا ہوں تیری محفل میں
نظر اپنی کجی محسوسم جلوہ ہو نہیں سکتا
زمانے سے ڈراتے کیا ہونچھ کو کون ڈرتا ہے
خدا شاہد نظر آئے کئی چہرے رنگا ہوں کو
زباں گل نے کہے یہ دعا رنگیں عباتیں
تجھے دیکھا تو منزل کا یقین آنے لگا دل کو
جنوں عشق میں یار رہا، ہماری اس طرح گزری
نہ جلنے کیا نظر آیا جو سجدہ کر لیا میں نے
حد کی آگ میں جلتے رہے یہاں نکتہ چیں برسوں
رہے گی میری خوشبو تیری محفل کے قریب برسوں
طاہر موٹر پر ہم سے کوئی پردہ نشیں برسوں
یہی تو زمانہ جو رہا زیر رنگیں برسوں
مگر تجھے سا نہیں دیکھا کوئی ہم نے حیا برسوں
رہے محفوظ ذہنوں میں غزل کی یہ زمیں برسوں
نہ دیکھا تھا تجھے تو دور تھا دل کے یقین برسوں
رہا ہے چاک دامن پرزے پرزے آستیں برسوں
کچی کے سامنے تو خم نہ ہوئی تھی جبین برسوں

ضمیر اس آہ دل کو مل ہی میں اپنے چہار کنا
رہے گی کھابلی وند سہر عرشا بریں برسوں



عمر بھر ہم جو تری اک نظر کو تر سے
 تیغ چکاؤ ذرا دار سجاؤ لوگو
 آپ کا فیض تو ہے عام زمانے میں مگر
 دشتِ غربت میں ہے وہ کرب و الم
 یہ اسیری یا رہائی ہے بتا دے صیاد
 ہم تو اٹھ جائیں گے اور اٹھ کے چلے جائیں گے
 خونِ دل خونِ جگر ہم نے دیا گلشن کو
 آپ آئے تو یہ احساس ہو رہے تھے کو
 ایسا کوئی نہ جنت کے اثر کو تر
 نن کا انعام نہ نکالے سر کو تر
 کس لئے میری جبین آپ کے در کو تر
 گھر میں رہتے ہوئے جیسے کوئی گھر کو تر
 ہم جو آزاد ہوئے جنبشی پر کو تر
 کھلی تری بزم نہ پھر اہل ہنر کو تر
 جب بہار آئی تو اک غنچہ تر کو تر
 گھر یہ رہ گھر ہے جو دیوار کو در کو تر

روئے تاباں ہے تصور میں شبِ مدوزِ ضیاء
 ہم کہاں روشنی شمس و قمر کو تر سے



درِ دل درِ جگر اور بیڑھایا نہ کرو
 روئے روشن پہ کبھی زلف کا سایا نہ کرو
 آئینہ دے کے دم مرگ مرے ہاتھ میں
 سر جھکائے ہیں تو پھر دل بھی جھکانا ہو گا
 پیارا، اخلاص سے غیروں کو بھی پسند کرلو
 بزمِ احباب میں آیا ہوں چلا جاؤں گا
 وہ جب آئے ہیں تو بچھ جاتے ہیں محفلِ چراغ
 دل سے تم مجھ کو بھلائے تو چلو لوں یہی

ہم کو دیوانہ محبت میں بنایا نہ کرو
 صبح کو شام سے اس طرح ملایا نہ کرو
 زینت کی آخری تصویر دکھایا نہ کرو
 درنہ سجدہ میں فقط سر کو جھکایا نہ کرو
 آپ اپنوں کو بھی نفرت سے پرایا نہ کرو
 میری خاطر کبھی تسکلیف اٹھایا نہ کرو
 سامنے ان سے چراغوں کو جھلایا نہ کرو
 شرط یہ ہے کہ خیالوں میں بھی آیا نہ کرو

گوشِ دل سے نوا جائے جو آوازِ ضمیر
 حق کی یہ بات ہے تم اس کو دبا یا نہ کرو



جلوؤں میں ان کے خود کو مٹا کر تلاش کر
بعد فنا بقا کا کوئی گھسہ تلاش کر

بندہ اگر ہے شانِ قلندر تلاش کر
جو روح کو جگا دے وہ منظر تلاش کر
ساحلِ تلاش کرنے سمندر تلاش کر
ہر در پہ سر جھکانا ہے تو بینِ بندگی
پیر اک سے کہو کہ سمندر اگر ملے
ناز و نیاز کا یہ تقاضا ہے آج بھی
محفل میں جس سے نور ہو وہ ہے چراغِ خدا
پیتے ہی جس کو کھلتے ہیں اسرارِ دو جہاں
خاصانِ رب تو ملتے انہیں ہر جگہ کبھی
کانٹوں کا یہ وقار خزاں کا یہ آبرو
اک بھڑکیاں کو جو کودے میں کر دے بند
اے باغبانِ توجہ کو اگر جانتا نہیں

اُٹھ جائے مرہ جس کا وہ ٹھوکر تلاش کر
بروے میں ہے یہاں جو وہ منظر تلاش کر
طوفانِ خیز موج کا منظر تلاش کر
جس در پہ دل کو جھکنے کا وہ در تلاش کر
گہرائیوں میں ڈوب کر گو ہر تلاش کر
سودا ہے جس میں عشق کا وہ سر تلاش کر
تو اس کی روشنی کو نہ درود تلاش کر
اس میکدہ کا ساقی وہ ساغر تلاش کر
ان کو عوام سے ذرا ہٹ کر تلاش کر
سازش ہے اس میں کس کی کج تلاش کر
ایسا کسی کا اک دل مضطر تلاش کر
کس کا لبو ہے پھولوں کے رخ پر تلاش کر

تیری صدا میں کس کی ہے آواز اے ضمیر

اک بار اپنے آپ سے مل کر تلاش کر



ہم سہارا اک شجر سے مانگ کر چپٹا گئے
ہم سے مت پوچھو کہ ہم کیا کھو گئے کیا پا گئے
حق پرستوں کا یہاں پر کرنے استقبال لوگ
صبح لو کی روشنی ہے ہر طرف پھیلی ہوئی
عظمتِ انسانیت بیمار ہو کر رہ گئی
خشک ہونٹوں سے تبسم کی توقع ہے فضول
حوصلے اپنے جواں میں اپنی ہمت ہے بلند
ہو گیا آسان مرنے آج اپنے شہر میں
ان کا جینا ان کا مرنے قابلِ تعریف ہے
زندگی لے زندگی لے ترا خدا حافظ ہے آج

ہم پہ اب اپنے حریف آرا چلانے آ گئے
اک تمہارے غم کی خاطر ہر خوشی ٹھکرا گئے
فرشِ گل کے نام پر کلنٹے بچانے آ گئے
آپ کہتے ہیں اندھیرے زندگی پر چھا گئے
خود پرستی کی دباؤ کچھ لوگ یوں پھیلا گئے
کھل نہیں سکتے کبھی وہ بھول جو مر چکا گئے
حادثوں کا تذکرہ کیا راستے گھبرا گئے
آپ جب سے قتل کو بھی خود کشی سمجھا گئے
خوابِ غفلت سے جو ذہن و فکر کو جوڑا گئے
دہلی دے کے غم کی آگ کو بھڑکا گئے

خونِ دل اپنے ہے ان روشن چراغوں میں ضمیر
انجمنِ راجن جو روشنی پھیلا گئے



ہے فکر دل کو اگر آئینہ بنانے کی
نظر میں خاک رہے ان کے آستانے کی

یہ مختصر مری روداد ہے فساتے کا
جہاں میں رہ کے بھی خواہش نہیں تڑپنے کی

جلی تھی بات چن میں جو آشیانے کی
فلک سے آئی خبر بکلیوں کے آنے کی

چن میں آج اجالا دکھائی دیتا ہے
الہی خیر ہوا اب میرے آشیانے کی

میں جان و دل کو ابھی فرش راہ کردوں گا
خبر ملے تو سہی مجھ کو ان کے آنے کی

نہ فکرِ جیب و گریباں نہ ہوشِ دامان ہے
تو خود ہی دیکھ لے حالت ترے دیوانے کی

جو بات میں نے سنائی تھی برسرِ محفل
ضمیر بن گئی وہ داستانِ زلزلے کی



انقلاباتِ جہاں کی کون سی منزل ہے آج
زندگی خود زندگی کے واسطے مشکل ہے آج

کون اپنے قافلہ کا رہبرِ منزل ہے آج
ہر قدم پر زندگی کی راہ میں مشکل ہے آج

جائزہ بینکی بدی کا کچھ تو لینا چاہیے
آج باطل حق ہو اے اور حق باطل ہے آج

تجھ کو اہلِ انجمن نے اجنبی سمجھا ضمیر
روحِ محفل تھا کبھی بیگانہ، محفل ہے آج



آپ ہی دل میں اور نظر ہیں آپ
میں نے دیکھا جدھر ادھر ہیں آپ

میں ہوں راہی تو راہ برس آپ	منزلیں خود ہی ہو گئیں آساں
ہر نفس میرے ہم سفر ہیں آپ	دونوں عالم کی سیر کرتا ہوں
سامنے میرے جلوہ گر ہیں آپ	کیا اندھیرے ڈرائیں گے مجھ کو
کیا محبت کی راہ پر ہیں آپ	دنیا والے جو مسکراتے ہیں
رات دن میرے ہم سفر ہیں آپ	چاند تارے سلام کہتے ہیں
باخبر ہو کے بے خبر ہیں آپ	سب کو اپنی طرح سمجھ بیٹھے
درد مندوں کے چارہ گر ہیں آپ	گھر نے والوں کو تھام لیتے ہیں

یہ کشش ہے ضمائر الفت کی
ہم جدھر ہو گئے ادھر ہیں آپ



تمہاری جفا کاریاں اور بھی ہیں

ہماری دھاریاں اور بھی ہیں

حسینوں کی دلداریاں اور بھی ہیں

محبت کی غم خواریاں اور بھی ہیں

ہماری خطا کاریاں اور بھی ہیں

تمہاری طرف داریاں اور بھی ہیں

سفر زندگی کا کچھ آس نہیں ہے

یہ راہوں کی دشواریاں اور بھی ہیں

لوہے کے شاداب رکھا ہے جن کو

خیالوں کی وہ کیاریاں اور بھی ہیں

جہاں پیچ و خم ان کی زلفوں میں ہوں گے

وہاں پر گرفتاریاں اور بھی ہیں

کہیں شہرت عام رسوا نہ کر دے

مرے فن کی خود داریاں اور بھی ہیں

نہ سمجھا کبھی تو نے جذبِ محبت

دلوں کی فدا کاریاں اور بھی ہیں

ذرا پی کے مخمور آنکھوں سے دیکھو

ضمیران کی سرشاریاں اور بھی ہیں



جذبہ عشق میں اتنا تو اثر ہو جائے
 جو ادھر حال ہوا ہے وہ ادھر ہو جائے
 غم دنیا کا اثر ہی نہیں ہوتا کوئی
 فکر یا بند غم دوست اگر ہو جائے
 جب بھی آجائے مرے سامنے وہ پیکر حسن
 ہر نظر اس کی محبت کی نظر ہو جائے
 شبِ بھراں تو بہت طویل ہوئی جاتی
 تم تصور میں بھی آؤ تو سحر ہو جائے
 خود ہی ہو جائے گی آسان ہر اک راہِ گل
 دل میں مضبوط اگر عزم سفر ہو جائے
 کاش عبرت ہو چمن لٹنے والوں کو ضمیر
 کھل کے ایک ایک کلی آج شر ہو جائے



لاکھ سنا حل نے کیا مجھ سے کنارائے دوست
حوصلہ پھر بھی نہ میں نے کھی ہارائے دوست

صبحِ امید سے ہر شام کو بہلاتے ہوئے
میں نے ہر لمحہ کو مشکل سے گزرائے دوست

آرزوؤں کی نئی شمعیں جلائی ہوئی
پھر سے چھایا ہے زمانے پہ اندھیرائے دوست

عظمتِ زیست کا احساس نہیں ہے ان کو
لے کے جیتے ہیں جواوروں کا سہارائے دوست

میں نے دیکھا ہے کہ پھر جاگ اٹھا میرا ضمیر
تیرے جلوؤں کا لئے رنگِ نظارائے دوست



دیکھ کیسے عالم میں تیرے غم کے مارے ہیں
تیرگی کے بادل ہیں آنسوؤں کے دھارے ہیں

بن گئے محبت کے آج کتنے افسانے
آپ کی نگاہوں میں کیا حسیں اشارے ہیں

ان کی نوبِ مرگاہیں پر اشک کیا قیامت ہے
چرخ سے اتر آئے جیسے کچھ ستارے ہیں

حال وہ اگر پوچھے ہم یہ صاف کہہ دیں گے
بے جئے زمانے میں زندگی گزارے ہیں

آپ کی نظر مٹی یا پلٹ گئی قسمت
صرف یاد کے سائے زلیمت کے بہارے ہیں

حسن کا تکبر بھی فیض ہے نگاہوں کا
شوقِ عشق نے گیسو حسن کے سنوارے ہیں

ہے ضمیرِ دل میرا منتظر اسی دن کا
مسکرا کے وہ کہیں آنے دو ہمارے ہیں



المٹی ہو جاتی ہے تذیر کوئی کیا جانے
کیوں بگڑ جاتی ہے تقدیر کوئی کیا جانے

ان لکھے حرف کا تحریر کوئی کیا جانے
جو نہ ظاہر ہو وہ تصویر کوئی کیا جانے

جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے خیالوں میں انہیں
ہائے اس خواب کی تعبیر کوئی کیا جانے

یوں تو سب لوگ مرے شعر سنا کرتے ہیں
غم کے احساس کی تفسیر کوئی کیا جانے

وقت بازو پہ کرتے ہیں بھروسہ لیکن
کس طرح بنتی ہے تقدیر کوئی کیا جانے

فرش کیا چیز ہے جب عرش ہلا دیتی ہے
کیسی ہے آہ کی تاثیر کوئی کیا جانے

دل کی اک ضرب پہ ہے آہ کہ بنیادِ ضمیر
میرے اس عشق کی تعبیر کوئی کیا جانے



کسی نے ایسی مجھے طرزِ زندگی دے دی
زباں آنکھوں کو ہونٹوں کو خامشی دے دی

وہ بارہ خوار ہوں جس کو نگاہِ ساقی نے
بڑے خلوص سے خود اذنِ میکشی دے دی

نہ دن کو چہیں نہ شب کو قرار ہے مجھ کو
تڑپ یہ کس نے محبت کی دائمی دے دی

اندھیرا آپ کی محفل میں اب نہ ہوگا کبھی
ہلو سے ہم نے چراغوں کو روشنی دے دی

بنامِ عشق فقط ان کے اک اشارے پر
ضمیر نے انہیں تحفے میں زندگی دے دی



لگا کر آگ ہم نے آشیاں میں
اجالا کر دیا ہے گلستاں میں

ثبوت اے کا ہے گردِ کارواں میں	ہے کتنا حوصلہ عزمِ جواں میں
صداقت ہو گی ان سب سے پیاں میں	اگر ہو ربطِ دل میں اور زہاں میں
مرا خونِ جگر ہے گلستاں میں	یہی ہے لالہ دگل کی زباں پر
تڑپ پیدا ہوئی برقی تپاں میں	ہمارے آشیاں کے تذکرے پر
شکستہ کشتیِ بحرِ رواں میں	میں اک تنہا مسافر رہ گیا ہوں
چبھنِ گل کی نہ تھی میرے گماں میں	کھٹک تو خار میں ہوتی ہے لیکن
بہار آجائے گی دورِ خزاں میں	ہمارا خونِ دل دے دو چمن کو
مجھے منزل ملی آبی رواں میں	مری مشکل پسندی کام آئی
سفینہ رک گیا موجِ رواں میں	نہیں طوفاں تو پھر یہ بات کیا ہے
کہ ہم پہاڑ ہیں بنیادِ مسکاں میں	نہیں معلوم شاید خود مسکیں کو

ضمیر اپنا اگر کچھ ساتھ دے دے
تو ہو گی کامیابی امتحاں میں



جب آنکھ کوئی پرخم نہ ہوئی جب زلف کوئی برہم نہ ہوئی
 مانا کہ اندھیرا ہے لیکن یہ شام تو شامِ غم نہ ہوئی

بڑھتی ہی گئی الجھنِ دل کی اس پر بھی نمودِ غم نہ ہوئی
 عالم ہے یہ ضبطِ غم کا مرے بے کیفی چشمِ غم نہ ہوئی

میں حال کہوں تو کیسے کہوں ناکامی کا بربادی کا
 تقدیر کے چکر بڑھتے گئے اور گردشِ دوراں کم نہ ہوئی

اشکوں کا بھی طوقاں بڑھنے لگا آہوں کی بھی آندھلی ٹھنے لگی
 احساسِ وفا کی شمع تو روشن ہی رہی مدھم نہ ہوئی

بے خوفِ خطر ہر منزل سے بڑھتا ہی رہا میں آگے ضمیر
 حدِ شکر کہ راہِ فکر و عمل شرمندہ پیچِ خشم نہ ہوئی



ملاؤ مجھ سے نظریا میری جاں آہستہ آہستہ
چلاؤ دل پہ پھر تر و سناں آہستہ آہستہ

جو دشمن تھے ہماری جاں کے کل تک زمانے میں
وہ ہوتے جارہے ہیں مہرباں آہستہ آہستہ

ٹلا کر ہم سے نظروں کو وہ خود ہی سکراتے ہیں
محبت ہوتی جاتی ہے عیاں آہستہ آہستہ

جائے تھے محبت کے جو نقشے دل میں مشکل سے
مٹے جاتے ہیں اب وہ بھی نشان آہستہ آہستہ

کسی کو کیا خبر ہے اے ضمیرِ ان کی محبت میں
گذرتی ہے مری عمر رواں آہستہ آہستہ



غم میں ڈھلتی جاتی ہے آج ہر خوشی اپنی
 زندگی پہ روتی ہے آہ زندگی اپنی
 جس نے کر دیا سوا جس نے کر دیا برباد
 اس سے کیا بچے اے دل رسمِ دوستی اپنی
 جب قدم اٹھاتے ہیں زور ہوتی ہے منزل
 لے کے پھر کہاں جائے ہم کو بے خودی اپنی
 آتشِ غمِ دوراں شعلہٴ غمِ جاناں
 میرے دل سے لیتے ہیں تابِ زندگی اپنی
 لو خزاں کے بیچہ میں جاتے جاتے ہر غمِ
 آہ سرخ ہونٹوں کی ریا گیا ہنسی اپنی
 کوئی دردِ دل میرا آج تک نہیں سمجھا
 اے ضمیر کام آتی کاش شاعری اپنی



بول بالا رہے ساقی ترے میخانے کا
 دور چلتا رہے بس بارہ و پیمانے کا
 گر پلانا ہے تو بس اتنی پلا دے ساقی
 ہوش باقی نہ رہے اپنے کا بیگانے کا
 آتشِ عشق میں جل کر بھی نہ کمی اف منہ سے
 پیار کچھ ایسا بڑھا شمع سے پروانے کا
 بے پیئے اڑنے لگے ہوش ہمارے ساقی
 جب خیال آتا ہے ہم کو ترے میخانے کا
 کیا بہاروں سے مسرت ہو مجھے بتلاؤ
 نقشہ پھرتا رہے جب آنکھ میں دیرانے کا
 دیکھنے والے کو دیکھا ہی نہیں ہے تو نے
 حال سنتا رہا اوروں سے تو دیوانے کا
 سرخیاں خوں رلائیں گی انہیں آج ضمیر
 بڑھ لیں مضمون جو مرے عشق کے افسانے کا



اٹھایا ہے ہمیشہ ہنس کے بلور زندگی میں
 جنوں شوق سے سیکھی ہے گویا آہنگی میں نے
 خوشی دل کی جواشکِ غم میں اکڑ ڈب جاتی ہے
 اسیرِ تیرگی دیکھی ہے گویا روشنی میں نے
 وفورِ اشکِ غم میں حوصلے دل کے ابھرتے ہیں
 کسی طرح نہ پائی ہمتِ دل میں کمی میں نے
 ٹرپ اٹھتی ہے بھلی صرف بنیادِ نشیمن پر
 ہزاروں بار دیکھی ہے یہ ربطِ باہمی میں نے
 کبھی غصے کو ساقی کے پیالے سے بھرمِ رنواں میں
 بغیرِ دل کیا ہے یوں بھی ذوقِ میکشی میں نے
 جبینِ شوق میں ہے آستانِ یار کا ہر تو
 ضمیر اس طرح ڈھالے ہیں اصولِ جھگ میں نے



طوفان میرا نہ ہم زبیرا ہواجِ رواں ہوں گے
جب حوصلے ابھریں گے خود غمِ جواں ہوں گے

اس حسن کے جلوے جب ہر رخ سے عیاں ہوں گے
پرک بھی نہ لگا ہوں گے احساسِ گراں ہوں گے

وہ چشمِ تصویر میں جب رقصِ کناں ہوں گے
نظارے محبت کے ہر سمت جواں ہوں گے

جب دورِ بہاراں میں خود برقِ تپاں ہوں گے
کس طرح چین میں ہم بلے نام و نشان ہوں گے

اے گردشِ دوراں تو جی بھر کے ستالینا
لیکن نہ کبھی بھی ہم مائل بہ نغاں ہوں گے

ہے شمعِ سخنِ روشنِ محفل میں ہر دم سے
یوں تو تری محفل میں سب اہلِ زباں ہوں گے

ہیں زہرِ شکنِ عشوے یہ ناز و ادا غم کے
کیا جانے دل کتنے اب نذرِ بتاں ہوں گے

جذبات کے پردے میں چھپتے ہیں کہیں جلوے
جو دل میں نہاں ہوں گے نظروں سے عیاں ہوں گے

وہ ساتھ زمانے کے رہتے ہیں ضمیرِ اکثر
ہم اہلِ تمنا کے ہمراہ کہاں ہوں گے



جب محبت کی ابتداء ہوگی
 ہر شبِ غم کی انتہاء ہوگی
 ہم پہ جب آپ کی عطا ہوگی
 زندگی اپنی جاں فدا ہوگی
 آپ کی صرف اک نرگاہِ کرم
 میرے جینے کا آسرا ہوگی
 آپ اپنا اگر مجھے سمجھیں
 زندگی کس طرح فنا ہوگی
 دین اس کی ضمیر کیا کہیں
 ہر طلب سے تری سوا ہوگی



پھر گھٹائے پیام آہی گیا
 میرے حصے کا جام آہی گیا
 جذبہ شوق کا م آہی گیا
 ان کا مجھ تک سلام آہی گیا
 زخموں اٹھتی ہیں جام آتے ہیں
 زندگی کا مقام آہی گیا
 چاندنی لیکے میری دنیا میں
 آج ماہِ تمام آہی گیا
 میرے اشکوں کے لب پہ آج ضمیر
 جانے پھر کس کا نام آہی گیا



دل میں سڑپ نہ گناہوں میں جلوہ لئے ہوئے
 جیتا ہوں تیرے غم کا سہارا لئے ہوئے
 یہ بھی ہے جبرِ عشق کہ محروم مرگ ہوں
 زندہ ہوں زندگی کی تمنا لئے ہوئے
 ان کا ہر اک خیال ہے ان کی ہر اک نظر
 میرے شہادت کی دنیا لئے ہوئے
 مدت سے پھر رہا ہوں محبت کی راہ میں
 دستِ جنوں میں دامنِ بھرا لئے ہوئے
 میری نگاہِ شوق ترے اعتبار پر
 ہے زندگی فروزِ نظرِ رالئے ہوئے
 اس راہِ زندگی کی اندھیروں کو کیا خبر
 شامِ الہیہ غم کا اجالا لئے ہوئے
 ان کی نظر ہے مرہمِ زخمِ سخنِ ضمیر
 آئے رہ میرے نن کا مداوا لئے ہوئے



زندگی کیسے تجھے ساتھ میں لیکر نکلوں
موت کا حکم ہے تنہا میں سفر پر نکلوں

مجھ کو کس طرح بھلائے گا بھلانے والا
اشکِ غم بن کے اگر آنکھ سے ڈھل کر نکلوں

کیا حقیقت کو سمجھتے مری اہلِ دنیا
میں وہ قطرہ ہوں جو وسعت میں سمندر نکلوں

پیرۂ شاہد و شہود اگر اٹھ جائے
کھول دے رازِ حقیقت جو نہ منظر نکلوں

میں جو بکھڑوں تو نظر آؤں ہر اک ذرہ میں
اور سمٹوں جو کہیں عشق کا محور نکلوں

جھوم اٹھے گی ابھی آپ کی محفل کی فضا
جاتے جاتے جو غزل کوئی سنا کر نکلوں

آپ کا نور ہے پہاں مرآبِ دگل میں
نقشِ پا آپ کا بن جاوے تو رہز نکلوں

دیکھتا ہوں اسے گھر بیٹھے تصور میں ضمیر
رہنے اس کو بھلا کیسے میں درد نکلوں



تو میرے دل میں نظر میں خیالِ خواب میں ہے
 یہ کایک آگ لگا کر مرے نشیمن کو
 ان آنسوؤں کی حقیقت کوئی سمجھ نہ سکا
 ترا جالِ مکمل ارے معاذ اللہ
 نہ جانے رنگِ حقیقت کہاں ہے پوشیدہ
 میں تیرے ہاتھ سے لوں جامِ کس لہجہ ساقی
 جو گل تھا رشکِ چین وہ ہے دستِ گلشن میں
 سمار ہی ہے غزل در غزل کوئی آواز

میں کیسے سمجھوں کے جلوہ ترا نقاب میں ہے
 خدا ہی جانے یہ کیوں برقِ اضطراب میں ہے
 جگر کا خون مرے دیدہ پُر آب میں ہے
 نہ ماہتاب میں طے اور نہ آفتاب میں ہے
 نگاہ آج بھی الجھی ہوئی سحراب میں ہے
 تیری نگاہ کی مستی کہاں شراب میں ہے
 جو دل تھا کام کا وہ حالتِ خراب میں ہے
 یہ حسن کس کا مری چشمِ انتخاب میں ہے

جلانی ہو گئی تجھے شیعِ عزمِ لڑ کو ضایہ
 مگر زندگی ابھی اک ظلمتِ عذاب میں ہے



دورِ حاضر میں بھلا زلیست کی قیمت کیا ہے
بے زرو مال کی دنیا میں حقیقت کیا ہے

آشیاں ان کا چمن ان کا ہے نکہت ان کی
جو نہیں جانے گنزار کی قیمت کیا ہے

دکھ اٹھائے ہیں زمانے کے زمانہ ہے گواہ
کیا بتائیں کہ تیری چشمِ عنایت کیا ہے

سنگِ دریغ کے چلے آئے بوقتِ سجدہ
ورنہ اسے زاہدِ ناداں یہ عبارت کیا ہے

سارِ فرمانہ ہو جب مقصدِ تمہیرِ حیات
پھر تری شاعری اے شاعرِ فطرت کیا ہے

ہم بھی خود راریِ فطرت پہ بہت نازاں تھے
جب کہ واقف نہ تھے تکمیلِ ضرورت کیا ہے

چشمِ بنیاد ہی جب خیر سے نابینا ہو
پھر یہ احساسِ الم اشکِ ندامت کیا ہے

زندگی جہدِ مسلسل سے سنور جائے گی
اے رفقا! الم شکوہِ قسمت کیا ہے

زندگی درد سے سمور ہوئی اپنی ضمیر
اس سے پوچھے کوئی احساسِ محبت کیا ہے



حیاتِ شوق کا عالم بھی ہے عجب عالم
نہ دائمی ہے خوشی جا و ماں نہ لذتِ غم
ترقیوں کے اجالے میں دو درِ حاضر سے
میں پوچھتا ہوں کہاں ہے وہ عظمتِ آدم
درستِ وقت کی نبضوں پہ ہاتھ ہے اپنا
نہ جانے کیوں ہے ابھی زندگی کی لے مدھم
کئی چراغِ سیرِ رہگذار جلتے ہیں
یہ کون چھوڑ گیا آج اپنے نقشِ قدم
تجلیوں نے تری ہر فسون کو توڑ دیا
ضمیر کھانہ سکا بھر فریبِ ریر و رحم



ساقی یہ میکدے کا عجب انتظام ہے
 مئے ہے نہ دند ہے کوئی ساغر نہ جام ہے
 ہر پڑ برہنہ ہے نہ پتے نہ پھول ہے
 اے باغباں چن کا یہ کیا نظام ہے
 منزل تمام عمر بخت ڈھونڈتے رہے
 جب نقش پائے یا رہسارا مقام ہے
 پہلی سی ان کی ہم پہ توجہ نہیں رہی
 دل کا سلام ہے نہ قطر کا پیام ہے
 کس وقت آپ آئے عبادت کے واسطے
 جب کہ مریض غم کا ہی قصہ تمام ہے
 ہے اب بھی وقت کر لے تو کچھ کام بے خبر
 فانی جہاں میں صرف دو روزہ قیام ہے
 اک سنگدل کو موم نہ کر پایا تو ضمیر
 تیری صدا کے آگے تو ہر اک غلام ہے
 ٹپکاپے خونِ دل رگِ افکار سے ضمیر
 روشن جہاں میں اس لئے میرا کلام ہے



جو مانگنا ہے مانگ یہ دربارِ عام ہے
بگڑی ہوئی بنانا اسی در کا کام ہے

خالی یہاں سے کوئی بھی لوٹا نہیں کبھی
یہ آستانِ پاک کا فیضانِ عام ہے

جائیں گے چھوڑ کر کہاں در آپ کا حضور
قدموں میں آپ ہی کے ہمارا مقام ہے

جو ترے عشقِ پاک میں مٹ کر فنا ہوا
اس کی حیات گویا حیاتِ دوام ہے

جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں
ترے بغیر سانس بھی لینا حرام ہے

یہ دل تمہارا جان تمہاری خدا گواہ
تم سے ہمارے زندگی کا ہر اک صبح و شام ہے

جن کو بھی مانگنا ہے وہ مانگے اور کچھ ساتھ
اس در کا فیض سکر زائے میں عام ہے

اے پیئے والے بی کے مقدر پہ نماز کر
ساقی ہے میکدہ ہے اور گردشِ حجام ہے

راہوں میں بیچ و خم اگر آئیں تو غم نہیں
میرا صفیر راہِ بر صبح و شام ہے



تصور بھی جہاں ساحل کا کچھ مشکل آتا ہے
 سینے کو ہر طرفاں دہیا پہ چھوڑ جاتا ہے
 دم میر حین جب کوئی غنچہ مسکراتا ہے
 مجھے بے ساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے
 وفا کی سنجھاں سب پر بھی بکساں نہیں ہوتی
 زمانہ آدمی کو دیکھ کر ہی آزما تا ہے
 ہوئی موقوف ان رسم ربط و ضبط مدت سے
 کبھی یاد آتی ہے ان کی لوغم آنکھیں دکھاتا ہے
 بعنوان محبت آج کوئی تیری محفل میں
 زبانِ اشک سے افسانہ ہستی سناتا ہے
 قفس سے کتنی ہی مانوس ہو جائے نظر لیکن
 چمن کے ذکر پر اپنا نشین یاد آتا ہے
 ضمیر اکثر کوئی آواز دیتا ہے درِ دل پر
 جہاں احساسِ تنہائی مسلسل ہر اٹھاتا ہے



آدمیت جو کروٹ بدلنے لگی
 ذہن شاعریں یہ بات کھلنے لگی
 زلف لہرا کے رخ پر مچلنے لگی
 صبح کے دوش پر شام چلنے لگی
 کھل گئے مجھ پہ اسرارِ غم دوستو
 جب سے احساس کی شمع جلنے لگی
 زندگی کے ارادے بدلنے لگے
 ہر خلش سے غم اگلنے لگے
 پھر ضمیر آج کیوں بنم اغیار میں
 ذکر میرا میری بات چلنے لگی



میں ترے کادوں میں آتا ہوں تو کھو جاتا ہوں
 اہنبی آپ ہی اپنے سے میں ہو جاتا ہوں

اب یہ دنیا مرے نزدیک نہیں آسکتی
 میں تری دھن میں تری یاد میں کھو جاتا ہوں

بعدِ ملت کے جو آیا ہوں ترے کوچے میں
 جانے کیا سوچ کے بے ساختہ رو جاتا ہوں

بسترِ گلِ لہا ہی محتاج نہیں نیند مری
 وقت پڑتا ہے تو کائناتوں پہ بھی سو جاتا ہوں

تری فرقت میں نکلے ہوئے آنسو میرے
 موتی ایسے ہر گچ پتھروں میں پرو جاتا ہوں

تری پر چھائی سے کیا کام چلے گا میرا
 لے تری فدا میں خود کو ہی سمو جاتا ہوں

دل کے آئینے میں اک عکس نظر آتا ہے
 اپنی پہچان کو میں بھول کے کھو جاتا ہوں

کس نے سمجھا ہے مرا حوصلہ ضبطِ ضمیر
 میں تو ہر غم کو تبسم میں ڈبو جاتا ہوں



آنکھ والا ترے جلوہ کو ترستا ہی نہیں
آنکھ وہ کیا ہے اگر حسن کا جلوہ ہی نہیں
اس کا محفل کا کبھی ذکر نہ کرنا ہمدوم
غیر تھا غبر ہے وہ غیر رہے گا اے دل
ہر قدم پر مجھے منزل کا نشان ملتا ہے
ہم جو چاہیں تو بدل سکتے ہیں رنگِ محفل
سرنگوں عظمتِ آدم ہے خدا خیر کرے
وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں دنیا والے
شمع کی شان ہے جلتے ہوئے پردانوں سے
زندگی بھر وہ بھٹکتا ہے اندھیروں میں ضمیر

دیدہ کو رہے جس نے تجھے دیکھا ہی نہیں
سرور کیا جس میں ترے عشق کا سوراہی نہیں
جس کی محفل میں غمِ دل کا مداوا ہی نہیں
تو اسے اپنا سمجھتا ہے جو اپنا ہی نہیں
عشق کی راہ گذر میں کوئی دھوکا ہی نہیں
ہم کو محفل میں کمی نے ابھی سمجھا ہی نہیں
ہم کو اس دور میں جینے کا سلیقہ ہی نہیں
وقت کو تو نے بدلتے ہوئے دیکھا ہی نہیں
حسن کس کام کا جب چاہنے والا ہی نہیں
شمعِ احساس کا گر دل میں اجالا ہی نہیں

بے نیازی نے سلامت تجھے رکھا ہے ضمیر
لبِ احساس پہ اک حرفِ تمنا ہی نہیں



ہم جو ہو جائیں گے آپ اپنے سے اک بار جدا
 زندگی کے نظر آئیں گے پھر آثارِ جدا
 ہم نے دیکھا ہے زمانے کو زمانے کی قسم
 وقت بگڑا تو ہوئے ہم سے بھی یار جدا
 کاش پہچانے یہ رازِ چین اہل چین
 اک جگہ وہ کبھی پھولوں سے رہے خلد جدا
 گردشِ وقت نے منظر وہ دکھایا ہم کو
 کس طرح ہوتے ہیں گھر کے در و دیوار جدا
 نظمِ میخانہ ہے محتاجِ توجہِ ساقی
 جامِ مینا سے جدا مئے سے ہے میخوار جدا
 موت آئی تو بکھر جاتے ہیں اجزائے حیات
 سازِ ہستی کے ہوئے جاتے ہیں سب تار جدا
 کام آئی ہے سرِ حشر تری چشمِ کرم
 ہو سکے لطف سے کب تیرے گنہ گار جدا
 فرق ہو تلے جہاں ظاہر و باطن میں ضمیر
 ہم نے دیکھا کہ ہے گفتار سے کردار جدا



صبح پر شام بچھا جائے گی رفتاً ان کے رخ پر جو گیسو بکھر جائیں گے
 راستہ میں اندھیرا ہو جب ہر طرف رہروانِ محبت کدھر جائیں گے
 اپنی منزل سے آجکل ہٹے گا نہ پھر پھول کی طرح عارض نکھر جائیں گے
 جب جوانی کی تکمیل ہو جائے گی حُسن کے چند گوشے ابھر جائیں گے
 کیا خبر تھی مجھے اس طرح یک بہ یک خُون ہو جائیں گے دل کے ارا سب
 تیری خاموش نظروں کے نشتر سبھی میرے قلب و جگر میں اتر جائیں گے
 خود ہی آساں سے آساں ہو جائیں گے راہِ الفت کے دشوار تر مرحلے
 تم جو باہوں میں باہیں ذرا ڈال دو ہم کٹھن منزلوں سے گذر جائیں گے
 دردِ دل آج حد سے سوا ہو گیا تو نہیں آیا ہونٹوں پہ دم آگیا
 وقت باقی ہے آج بے وفا جلد آدہ نہ دنیا سے ہم خود گذر جائیں گے
 ان کو ترپائے گا دردِ دل مدّتوں آہ ہونٹوں پہ لہرائے گی دیر تک
 مسکراتے ہوئے آرہے ہیں مگر دیکھ کر مجھ کو با چشمِ نم چسائیں گے
 کس کو معلوم تھا اے ضیاءِ حزیں دل کے اربابِ نکلیں گے کچھ اس طرح
 آہ بن کے لبوں پہ ابھر جائیں گے اشکِ غم بن کے آنکھوں میں بھر جائیں گے



ان کے دل پر غم پہناں کا اثر کیا ہوگا
 جو ادھر حال ہوا ہے وہ ادھر کیا ہوگا
 سب کے سب جلوۂ آغازِ سحر میں گم ہیں
 کس کو معلوم ہے انجامِ سحر کیا ہوگا
 ذرہ ذرہ پہ ہو جب خوفِ خزاں کا پیرہ
 پھول پر فصلِ بہاراں کا اثر کیا ہوگا
 راہِ دشوار بھی ہو جائے یکایک آسا
 وہ اگر ساتھ ہوں احاسِ سفر کیا ہوگا
 ترے اندازِ نظر ہی پہ ہیں نظریں سب کی
 دیکھنا ہے ترا اندازِ نظر کیا ہوگا
 جارہے غم کے خمِ وسیع سے مڑنے والو
 تم سے دنیا کا کوئی مسرکہ سر کیا ہوگا
 عیب کو وہ جو ہنر کہتے ہیں کہنے دکنیز
 عیب ہر حال میں ہے عیب ہنر کیا ہوگا



ہزاروں بار سہمی دور آسماں بدلے
بتاؤ کیسے کوئی روحِ داستان بدلے
ہزاروں بار گری برق آشیانے پر
زمانہ لاکھ بدلتا رہا ہے رنگ اپنے
متاعِ زیست ہے بے شک وہ ایک لمحہ فکر
سینے ڈوبنے والے ابھر کے آئے ہیں
خلوصِ وقت کے زخموں کا بن گئے کمریم
بہار آ کے بھی نظمِ جن بدل نہ سکی
پلار ہا ہے نگاہوں کے جام سے ساقی
ضروریات نے لوٹا متاعِ قلب و نظر
مگر خدا نہ کرے چشمِ مہرباں بدلے
زمانہ لاکھ محبت کی سرخیاں بدلے
وفا پرست عنادل نہ گلستاں بدلے
جبینِ شوق ہی بدلی نہ آستاں بدلے
امید و یاس سے جب قلبِ ناتواں بدلے
یہ سیرِ طرزاں شکنِ حوصلے جہاں بدلے
یہ داغ ہلے دلِ انجنِ جہاں بدلے
یہ سچ ہے کوئی ذرا طرزِ باغباں بدلے
اے اہلِ بادہ کدہ طرزِ میکشاں بدلے
فریبِ زیست نے جب عہدِ دوکشاں بدلے

فسونِ دیر و حرم ہے ضمیرِ ذہنوں پر

زمانہ بیت چکا طرزِ امتحاں بدلے



بہار اپنی چمن اپنا نہ اپنا آشیانہ ہے
 مگر گاشن میں باقی آج بھی اپنا فسانہ ہے
 میصبت میں خود اپنے بھی پرانے ہوتے جلتے ہیں
 یہی دستور دنیا ہے یہی رنگِ زمانہ ہے
 تقاضے اب نیاز و ناز کے کچھ رنگ لائیں گے
 جبینِ شوق میری ادران کا آستانہ ہے
 ابھی میں صفحہ ہستی پہ اک حرفِ تمنا ہوں
 مرے اشعار کا مشتاق کیوں دورِ زمانہ ہے
 سنا کر آج میں پختیار ہوں غم کا افسانہ
 ہر اہلِ غم سمجھتا ہے یہ اپنا ہی فسانہ ہے
 ضمائرِ آواز دیتا ہے مسلسل اے جہاںِ عالم
 خود اپنی سانس ہی اپنے لئے اک تازیانہ ہے



کہتے ہیں عشق کس کو ذرا لو لگا کے دیکھ
 دیوانہ اپنے دل کو کسی کا بنا کے دیکھ
 نزدیک آ کے دیکھ کبھی دور جا کے دیکھ
 لیکن یہ شرط ہے اسے اپنا بنا کے دیکھ
 ترے مریض ہجر کا بچنا محال ہے
 نسبت کو آج اپنی مسیحا بنا کے دیکھ
 تو اس میں ہے رہ تجھ میں ہے کیا جانتا نہیں
 ہے دیکھنا اسے تو خودی کو مٹا کے دیکھ
 ابھائے گی مرے دل دیراں میں پھر بار
 اک بار میری صحت ذرا سکا کے دیکھ
 جلوہ جالِ یار کا ہے روبرو ضمیر
 آنکھوں پہ جو پڑا ہے وہ پردا اٹھا کے دیکھ



ہم کو بدلے یہ زمانہ بھی تو کیونکر بدلے
وقت بدلا تو یہ دیکھا ہے کہ اکثر بدلے
میری ہستی میں ہیں موجود خزانے کتنے
رہ سفر کیا ہے گزر جائے جو ساحل ساحل
فکرا اپنی نہ زبان اپنی نہ مضمون اپنا
جگمگاتے ہوئے گھر سے یہ پتہ چلتا ہے
ایک قطرہ ہی سہی موت سے ڈرتے کب ہیں
تیرے دیوانوں کے قدموں میں غمی منزل ان کا
میں چراغِ سہ منزل کا طرح روشن ہوں
جوٹ احساس پہ لگتی ہے تو دل کہتا ہے

بارِ طہم نے زمانے کے مقدر بدلے
کوئی ایسا نہیں جو وقت کے تیور بدلے
جستجو میں مری ہر عہد نے دفتر بدلے
رُخ ذرا کشتی کا طوفان کی زد پر بدلے
پھر بھی محفل کو وہ رنگ اپنا جا کر بدلے
آپ آئے تو مرے گھر کے مقدر بدلے
ہم سمندر میں جوں جوں جا بئی سمندر بدلے
ہوش والے کبھی رستہ کبھی نہ ہر بدلے
آرزو محفل میں تو محفل کا ہی منظر بدلے
بھول کے روپ کو دھاڑ ہوئے پھر بدلے

اسی عالم میں ہے دنیا کا مسافر خانہ
اے ضحیر آپ کہاں آج نیا گھر بدلے



رُخِ حیلں کو حضور آپ کے ادھر کر دو
 ہمارے حال پہ اک پیار کی نظر کر دو
 ترس رہی ہے اجالوں کو زندگی میری
 جو ہو سکے تو شبِ غم کی بھی سحر کر دو
 یہ ماننا ہوں نظر بے رخی کا فخر ہے
 تم اس کو مرہمِ زخمِ دل و جگر کر دو
 رہو جہاں میں ہمیشہ ہی سرخرو بن کر
 جو تم پہ آئے وہ الزام میرے سر کر دو
 نظر کے ساتھ کئی جامِ رقص کرتے ہیں
 بس ایک جامِ مرے نامِ عمر بھر کر دو
 مجھے ہنر نہیں آیا زمانہ سازی کا
 مزاج دارو مجھے واقفِ ہنر کر دو
 بنا رہا ہوں لہو سے غزل کی لوں پلک
 ضمیرِ اہلِ سخن کو ذرا خبر کر دو



لٹ دی آپ کی خاطر متاعِ زندگی میں نے
 بتادیں آپ ہی الف سے کیا کمی میں نے
 ہوا ہے کس طرح سودا نہ پوچھو ان کی الفت کا
 سکونِ دل کو دے کر مولیٰ ہے بے کلی میں نے
 مری الفت پہ شبہ ہے انہیں کج فہم سے ایدل
 کہ جن کے واسطے برباد کر لی زندگی میں نے
 ہزاروں بار دیکھا آپ کی شانِ تبسم کو
 ہزاروں بار دیکھیں بجلیاں چمکی ہوئی میں نے
 ہمیشہ مجھ کو غم میں مبتلا رکھا زمانے نے
 لبوں پر اپنے اک دن بھی نہ دیکھی ہنسی میں نے
 سیتم سہتا رہا میں زندگی بھر اے ضمیر اس کے
 نبھانا تھا غرض مجھ کو نبھا دی دوستی میں نے



کب عشوہ و انداز کا پھر وار کرو گے
کب تیرا نظر دل کے مرے پار کرو گے

تم میرے لئے میرے لئے میرے لئے ہو
تم میرے سوا کس سے کہو پیار کرو گے

دل میرا تڑپتا ہے محبت میں تہساری
کب مجھ پہ کرم اے میرے سرکار کرو گے

مر جاؤں گا مٹ جاؤں گا چاہت میں تمہاری
تم چاہ کا میری اگر اقرار کرو گے

تم میری محبت کا ذرا فیصلہ کرو
کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ انکار کرو گے

ہو جائے گی آسان ہر اک راہ محبت
ملنے کے اگر راستے ہموار کرو گے

بیخانے میں اک بوند کو ترسو گے ہمیشہ
شکوہ بھی دستور کا میخوار کرو گے

تم سیر چمن کے لئے آئے تو ہو سیکن
ھر پھول کو گلشن میں بہت خواہ کرو گے

ھر ایک سمجھتا ہے ضمیر اب تمہیں اپنا
کس کس کی محبت کا تم اقرار کرو گے



ہر ایک گوشے میں برقِ تپاں کی بات چلی
چمن میں جب بھی مرے آئیناں کی بات چلی

پہونچ گیا سرِ منزل میں جس گھڑی ایدوست
رہ حیات میں غمِ جواں کی بات چلی

کہاں سے آگئے آخر یہ رہرواں غلط
کہ کارواں نہ چلا کارواں کی بات چلی

یہ سچ ہے چل نہ سکی دو قلم بھی عمرِ رواں
بہت دنوں مری عمرِ رواں کی بات چلی

غزل سنائی ہے ہم نے جہاں کہیں بھی ضمیر
وہاں ہمارے شعورِ بیاں کی بات چلی



پکر رہی داری کیا یہ باندی کہاں ہوتی ہے

بمردہ داروں کی ملاقات جہاں ہوتی ہے

یوں تو ملنے کو سب احباب ملا کرتے ہیں	بھر بھی تنہائی مری آفت جاں ہوتی ہے
رقص کرتی ہیں خدا جانے بہاریں کتنی	مسکراہٹ جو ترے لب پہ عیاں ہوتی ہے
وہ تو کھولے ہوئے زلفوں کو چلے آئے ہیں	زندگی سوچ تر چمکے کہاں ہوتی ہے
اک سخنور کا ہے اتنا ہی تعارف ایدوست	عظمتِ فکر و نظر اس سے عیاں ہوتی ہے
دیکھ لیتا ہوں تصور میں تمہارا جلوہ	آنکھ میری کبھی بے نور کہاں ہوتی ہے
بحرِ ہستی کا ہر اک موج کو رکنا ہوگا	کشتیِ محرمی آج رواں ہوتی ہے
یہ بھی کیا کم ہے کہ وہ یاد ہیں کرتے ہیں	اہلِ فن کی کمی محسوس جہاں ہوتی ہے
آپ تنقید کسی پر بھی خدارا نہ کریں	اچھے لوگوں میں بری بات کہاں ہوتی ہے

آنکھ دالا ہو تو پڑھ سکتے ہیں چہرہ کو ضمیر

دل کی ہر بات کہاں سب پہ عیاں ہوتی ہے



لو محبت کا کچھ اس طرح رکھنا
 ان کے جلوؤں کو نہ لگا ہوں میں سوائے رکھنا
 ہم غلاموں کی صدا لاج بھلے رکھنا
 بات بگڑے نہ کہیں بات بنائے رکھنا
 منزلِ شوق مری آپ کے قدموں میں رہنا
 اپنے قدموں سے ہر حال لگائے رکھنا
 دوزنِ عالم اسی صورت میں نظر آئیں گے
 اک تصور کو ذرا ان کے جائے رکھنا
 میری نسبت کزباں پر گہی شام و صبح
 اپنے سائے میں ہر اک غم سے بچائے رکھنا
 جانے کب جان تری تن سے نکل جائے ضمیر
 یادِ محبوب کو سینے سے لگائے رکھنا



حارِ دیر و حرم کو توڑ کر اے حسنِ جانا نہ
 زمانے میں اکیلا ہو گیا ہے تیرا دیوانہ
 تری زلفوں کی خوشبو سے ہلک جاتے ہیں فرزانہ
 جسے بھی جانتی ہے تو بننا لیتا ہے دیوانہ
 پلائے جا پلائے جا مرے ساقی پلائے جا
 تری نظریں ہیں یہاں مری نظریں ہیں زندانہ
 تمہاری یاد میں جینا تمہاری یاد میں مرنا
 کوئی بوجھ تو کہہ دینا یہی مشغلی زندانہ
 بتا اے زندگئی تجھ کو کہاں اب لیکے جاؤں میں
 وہ کعبہ ہے خدا کا گھر یہ ساقی کا ہے میخانہ
 تیرے دیدار کا عالم نہیں معلوم کیا ہو گا
 نقطہ تیرے قصور سے ہے روشن میرا غم خانہ
 کئی حسرت کئی آنسو کئی آہیں سمٹ آئیں
 ضیاءِ اب ہو گیا آباد میرے دل کا کاشانہ



ہم نے سوچا ہی نہیں گلشنِ یہ کیسے نام ہے
خونِ دل خونِ جگر دینا ہمارا کام ہے

جینے والوں کیوں لبوں پر شکوہِ آلام ہے
سُنی پیہم در حقیقت زندگی کا نام ہے

بنفصِ ڈوبی سانسِ لٹٹی آخری پچھلی لگی
اب ترے بیمار کو آرام ہی آرام ہے

زندگی اے زندگی کتنی ہیں تصویریں تری
تو کہیں بدنام ہے اور تو کہیں انعام ہے

مل گیا ہے مجھ کو جب ان کا دامانِ کرم
منزلِ مقصود اپنی آج زیرِ گام ہے

حوصلہ دل کا سلامت ہے تو مجھ کو غم نہیں
میرے آگے سرنگوں ہر گردشِ ایام ہے

اہلِ ایمان نے کیا ہے دل سے تیرا احترام
اے ضمیرِ انسانیت کا تو بڑا انعام ہے



جادہ شوق کے ہرزہ کو منزل باندھا
 ربط و نسبت کی قسم سجدہ کے قابل باندھا
 میں نے اس درد کو پہلو میں جو رہ رہ کے اٹھا
 اپنے ٹوٹے ہوئے ارمان کا حاصل باندھا
 اپنی ہمت ہے کہ تعمیرِ نشیمن کے لئے
 حوصلہ برقی فروزاں کے مقابل باندھا
 میں کہاں کش مکشِ وقت سے ڈرنے وال
 موجِ طوفاں کو مرے عزم نے ساحل باندھا
 ہجر میں آس ہی جینے کی جہاں ٹوٹ گئی
 آپ کی یاد نے ہر سانس کو مشکل باندھا
 علمِ کبھی کا ہو مگر عکسِ نظر آتا ہے
 دل کے آئینے کو آئینہ ہر دل باندھا
 ہر لبِ قافلہ افتادہ مسافر کو ضمیر
 ہم نے طوطی ہوئی گردِ رہ منزل باندھا



ہم نہ ہوں گے تو یقیناً تیرگی چھا جائے گی
دور ہو کر ہم سے دنیا ایک دن پچھتاے گی

بھولنے والے بتائیں کس طرح بھولوں تجھے
خود بخود صورت تیری دل میں اترتی جائے گی

اے خدا تیرے سوا اب رہنے والا کون ہے
کس کے آگے زندگی دستِ طلب پھیلائے گی

میں وہ راہی ہوں سفرِ تاحشر جاری ہے مرا
زندگی تو ساتھ میرے اب کہاں تک آئے گی

ہوش میں رہ کر نہ ڈھونڈو اپنی ہستی کا سراغ
سرحدِ ادراک سے گزرو تو منزل آئے گی

چھوڑ کر اپنے خدا کو زندگی در در نہ پھر
اس طرح کس کس کے آگے ہاتھ تو پھیلائے گی

فیض ہے چشمِ بصیرت کا کسی کی دوستو
ٹھوکر دے میں خود ہے دنیا ہم کو کیا ٹھکرائے گی

عظمتِ انسانیت کی کیا حفاظت ہو سکے
زندگی جب زندگی کے نام سے گھبرائے گی



خوشیوں میں بھی لفظوں کا ایک دفتر ہے
نگاہِ وقت میں عہدِ وفا کا منظر ہے

تمہارا دستِ کرم اب بھی میرے سر پر ہے
جہاں دوست تو رنگین غزل کا پیکر ہے
تمہارے سامنے شرمندہ ہر گل تر ہے
ہماری سانس میں پوشیدہ ایک نشتر ہے
تمہاری راہگزر میں غریب کا گھر ہے
تو میرے ساتھ ہے اے دوست مجھ کو کیا درد ہے
ہر ایک سانس میں خوشبوئے مشکِ مجنن ہے
ہماری راہگزر آج بھی منور ہے
یقینِ دل میں نہیں ہے تو دل بھی پتھر ہے
ہر ایک لفظ مرا مثلِ لعل و گوہر ہے

نہ مجھ کو فکرِ جہاں ہے نہ خوفِ محشر ہے
گھٹا ہے زلفِ دہنِ عنجہ آنکھ کا عطر ہے
تمہارا حسنِ مجسم بہار ہے گویا
نہ کیفِ شام نہ صبح بہار کا منظر ہے
کبھی تو آؤ ذرا تم غریب خانے پر
ہر ایک منزلِ مشکل سے میں گذر جاؤں
تمہاری یاد نے بزمِ حیات ہم کو دی
تمہارے نقشِ قدم کا یہ صدقہ ہے گویا
خیالِ فکر کا شیشہ گری سے کیا حاصل
نہ جائے میری غزل بے ہنر کی محفل میں

جگر کا خون دیا جس نے شاعری کو ضمیر
اسی کے دم سے عیاں عظمتِ سخنور ہے



مانا کہ میں اسیرِ الم عمر بھر ہوا
 لیکن ترے خیال سے کب بے خبر ہوا
 یہ کس مقام پر مجھے لے آئی زندگی
 جس سمت دیکھتا ہوں وہی جلوہ گر ہوا
 ہر منزلِ حیات قدم چومنے لگی
 جب سے ترا خیال مرا ہم سفر ہوا
 اس کو پناہ مل نہ سکی کائنات میں
 جو ترے در سے اُٹھ گیا وہ در بدر ہوا
 جب سے خیالِ یار میں کھو گیا ضمیر
 اپنا خیال کھرنے مجھے عمر بھر ہوا



ہم ہیں دیوانے وہ ہیں فسرزائے
 کس کا کیا حال ہے خدا جانے
 پیاسے پیاسے ہیں خود ہی پیمانے
 اجڑے اجڑے ہوئے ہیں میخانے
 کیسے سمجھوں میں اجنبی خود کو
 لوگ ملتے ہیں جانے پہچانے
 ان کو سینے سے ہم لگاتے ہیں
 جن کو ٹھکرا دیا ہے دینانے
 چشم ساقی کی ہریانی سے
 رقص کرنے لگے ہیں پیمانے
 آپ کو وقت خود بتا دے گا
 کون اپنے ہیں کون بیگانے
 رسم کیسی ہے یہ محبت کی
 آگ میں جل رہے ہیں پروانے
 زندگی اے ضمیر اس کی ہے
 تیری آواز کو جو پہچانے



جذبہٴ عشق بتا وقت وہ کیسا ہوگا
 سامنے نظروں کے جب یار کا جلو ہوگا
 روئے روشن سے نقاب آپ اٹھا کر دیکھیں
 میری دنیا میں اجالا ہی اجالا ہوگا
 ہم نے ہر راز کو سینے میں چھپا یا لیکن
 کس کو معلوم تھا یوں عشق کا چرچا ہوگا
 تو نے صورت نہ دکھائی تو یہ صورت ہوگی
 تیرے دیوانے کا محفل میں تماشا ہوگا
 ہے ترا عکسِ حسین میرے ہی دل میں پہنا
 تو نے یہ آئینہ شاید نہیں دیکھا ہوگا
 اس کی پہلی ہی نظر نے کیا دیوانہ ضمیر
 یہ ہے آغاز تو انجام بھلا کیا ہوگا



وہ آئے ہیں مرے گھر میں یہ تاثیرِ محبت ہے
 کرم ہے ہر مانی ہے نوازش ہے عنایت ہے
 میں جب بھی آئینہ دیکھا تو تو ہی تو نظر آیا
 یہ صورت ہو گئی ہے میری صورت تیری صورت ہے
 تجھے خود میں سمار اپنا جلوہ دیکھ لیتا ہوں
 میری ہستی بجز تیرے نہ ہونے کی عکاس ہے
 تمہارا دیکھ کر جلوہ دلوں سے گرتے ہیں سجدہ
 تمہارے عاشقوں کی بس یہی طرزِ عبادت ہے
 خدا لازم اگر بشیرا تو پھر ملزم ہے بندہ
 اے اس کی ضرورت ہے اے اس کی ضرورت ہے
 ضیاءِ انبیا تعارفِ کچھ ہو لیکن امام ان کلمہ ہے
 انہی کی زندگی ہے زندگی کو ان سے نسبت ہے



عجب رنگِ زمانہ ہے کیا کیا جائے
ہر ایک بس یہی کہتا ہے کیا کیا جائے

ہر ایک ذرہ میں جلوہ ہے حسن کا تر	مگر نگاہ بہ پردہ ہے کیا کیا جائے
میں تجھ اور تو مجھ میں ہے یہ حقیقت ہے	مگر یہ عشتا تو رسوا ہے کیا کیا جائے
زمانہ ڈرتا تھا سایہ کو دیکھ کر جس کے	وہ اپنے سائے سے ڈرتا ہے کیا کیا جائے
سمجھ رہا ہے زمانہ جسے مراقبات	وہی تو میرا میسج ہے کیا کیا جائے
میں گر دریاہ نہیں ہوں چراغ منزل ہوں	تو مجھ کو چوڑے جھٹکا ہے کیا کیا جائے
میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا کیا ہو کیا کیا	تو صرف ہر گھڑی کہتا ہے کیا کیا جائے
جلارہا ہے زمانہ کئی چراغ مگر	ہر ایک سمت اندھیرا ہے کیا کیا جائے
وہ تجھ کو جان کے بھی جانتا نہیں تجھ کو	وہ آنکھ رکھ کے بھی اندھا ہے کیا کیا جائے

ضمیر زندہ رہے وہ بھی اس زمانے میں
ہر ایک کو خواہشِ دنیا ہے کیا کیا جائے



اک اجالا جو کوئی وقفِ نظر ہوتا ہے
 مجھ سے پوچھو کہ وہی زخمِ جگر ہوتا ہے
 دل پہ جب دردِ محبت کا اثر ہوتا ہے
 جو ادھر حال ہوتا ہے وہ ادھر ہوتا ہے
 بزمِ احساس میں روشن ہے چرخِ امید
 پھر بھی کیوں دل کا جاں زیرِ وزیر ہوتا ہے
 روئے تاباں پہ بکھر جاتی ہیں زلفیں جس دم
 پردہٴ شب میں لہاں نورِ سحر ہوتا ہے
 چوٹ لگتی ہے جب احساسِ محبت پہ کبھی
 فکرِ شاعر میں قیامت کا اثر ہوتا ہے
 آپ رسوا ہوئے کس طرح محبت میں ضمیر
 آپ کی بات میں جب حق کا اثر ہوتا ہے



دل کی روداد نگاہوں سے سنادی جائے
ان لکھے حرف کی تحریر پڑھادی جائے

کیا ہوئی ہم سے خطا پہلے بتادی جائے
بعد جو آپ کا جی چاہے سزادی جائے

میرے اشعار سے گونجی ہے صدا کی صدا
ہو سکے تو مری پہچان مٹادی جائے

سفرِ عشق میں ہے آبلہ پائی لازم
راہِ چرخار کو گلزار بنادی جائے

اشک تو غم کی امانت ہیں بھالے رکھنا
یہ وہ دولت تو نہیں ہے جو لٹادی جائے

ڈال طوفان میں کشتی کو تو ڈھٹا کیا ہے
کیا عجب غیب سے یہ پار لگادی جائے

فرق کیا نظم و غزل میں ہے بتانے کے
اے ضمیر آج غزل اپنی سنادی جائے



پایا ہے اہل دل نے اعزاز زندگی کا
 کھتا ہے اہل دل پر ہر راز زندگی کا
 اس کی صدا جلائے ہر شمعِ آرزو کو
 جادو اثر ہے ایسا یہ ساز زندگی کا
 جینے کو جی رہا ہے تو جانتا کہاں ہے
 انجام زندگی کا آغاز زندگی کا
 اے آنے والے آجا اب بھی ہے وقت بجا
 خاموش ہو نہ جائے یہ ساز زندگی کا
 ہم سے ضمیر اکثر ہر حادثہ ملا ہے
 ہم جانتے ہیں کیا ہے انداز زندگی کا



کہتے ہیں میرا ذکر سہرا بجن ابھی
 بدلا مزاج شاعری عصرِ جدید نے
 بکھرے ہوئے پڑے ہیں کئی پھول راہ میں
 گھرا رہے ہیں آپ اندھیروں کے لئے
 دل کے کھنڈ ریں دیکھ دریا دکھل کر
 حاصل اگر ہے چشم بصیرت تو دیکھ لے
 لے دل سبھل کے تلخ نہو طرہ گفتگو
 بھولے نہیں مجھے مرے اہل وطن ابھی
 باقی رکھا ہے ہم نے غزل کا چلن ابھی
 گزرا یہاں سے کیا کوئی رشک چمن ابھی
 روشن ہے بزم میں مری شمع سخن ابھی
 محو کلام ہو گا کوئی سیم تن ابھی
 موجود ہیں جہاں میں کئی اہل فن ابھی
 بیٹھ ہے پاس آ کے رہ شیریں سخن ابھی

زندہ ضمیر لوگوں سے اک بار مل کے دیکھ
 چکے گی تیرے سامنے حق کی کرن ابھی



جب بھی قلم غزل پہ اٹھانا پڑا مجھے
 احساس کا چیرلغ جلانا پڑا مجھے
 ہر پردہ حجاب اٹھانا پڑا مجھے
 جب حوصلہ نظر کا دکھانا پڑا مجھے
 ترکِ تعلقات کی منزل۔ کچھ بعد بھی
 اکثر اسی کے کوچے میں جانا پڑا مجھے
 تاریک انجمن ہے چراغوں کے باوجود
 شمع و فاکو خوں سے جلانا پڑا مجھے
 خود مجھ سے مجھ کو مانگ لیا حادثات نے
 اپنے ہی ہاتھوں خود کو لٹانا پڑا مجھے
 خاموشیوں کو دے کے غمِ عشق کی زباں
 پرکھ میں حالِ دل کا چھپانا پڑا مجھے
 ملتا نہیں ہر ایک سے دل جلنے ہوئے
 پھر بھی ہر اک سے ہاتھ ملانا پڑا مجھے
 زندہ ضمیر ہے مرا یہ ظریف دیکھنا
 دشمن کو بھی گلے سے لگانا پڑا مجھے



کوئی یوگرگی میری اور ہر روشنی میری
 ترے دم سے چلی ہے سانس ہر گھڑی میری
 تجھ کو دیکھتے رہنا ذکر تیرا کر لینا
 یہ ہے زندگی میری یہ ہے بندگی میری
 کتنے جام چھلکے ہیں سامنے لگا ہوا کج
 شکر ہے سلامت ہے اب بھی تشنگی میری
 آپ اپنی محفل سے بچھ کر ذرا دیکھیں
 کیا کبھی ہوئی پوری بزم میں کمی میری
 ظاہری چمک پر ہے اب نظر زانے کی
 سب میں کر گئی رسوا محجہ کو سا دکانیری
 کوئی رازِ دل میرا آج تک نہیں سمجھا
 اے ضمیر کام آتی کاش شاعری میری



اہل دل سے حالِ دل آپ کیوں چھپاتے ہیں
یہ تو کل کی باتوں کو آج ہی بتاتے ہیں

حوصلہ زمانے کو اس طرح دکھاتے ہیں
بجلیوں کی زد پہ ہم آشیاں بناتے ہیں

دسم دوستی اکثر لوگوں نبھاتے ہیں
دل سے دل نہیں ملتا ہاتھ تو ملاتے ہیں

دل جہاں پہ لوگوں کے خود ہی ڈوب جاتے ہیں
ہم تو ایسی منزل پر راستہ دکھاتے ہیں

وہ چین پرستوں میں کیسے ہو گئے شامل
جو بھری بہاروں میں آشیاں جلاتے ہیں

کیوں مذاق اڑاتی ہے اے بہار تو اپنا
دیکھ بھول نہتے ہیں غنیے مسکراتے ہیں

راستے دفاؤں کے ہم سے ہو گئے روشن
ہم چراغِ نقشب پائے ہر جگہ جلاتے ہیں

شہر کی فضاؤں میں اک نکھار آتا ہے
خونِ دل ضمیر اپنا جب بھی ہم بہاتے ہیں



حسن کی زیر نگینوں کا بانگین اچھا لگا
گلبدن غنچہ بہمن رشک چین اچھا لگا

حسن کے معنوں میں لفظوں کا بدن اچھا لگا
لے غزل مجھ کو تو را یہ بانگین اچھا لگا

سب میں رہ کر بھی نظر آنے لگا سب سے الگ
اس لئے مجھ کو چراغِ انجمن اچھا لگا

خار کی توہین ہے نہ بھول کی تحسین ہے
زندگی ترے چین کا یہ چین اچھا لگا

گھر جلا کے میرا گھر میں چراغاں کر دیا
یہ طریقہ آپ کا اے ہم وطن اچھا لگا

ہستے ہستے روڑا در روڑے ہوتے ہنس پڑا
عشق میں تیرا مجھے دیوا نہ بن اچھا لگا

رفتہ رفتہ ان کے دل پر بھی اثر ہوتا گیا
اے ضمیر اپنا یہ اندازِ سخن اچھا لگا



آپ کا انتظار ہے اب تک
 دل بہت ہے قرار ہے اب تک
 وعدہ کر کے بھی وہ نہیں آئے
 وعدہ کا اعتبار ہے اب تک
 پھر نہ آیا ہمارے بعد کوئی
 کیا وہی رہ گزار ہے اب تک
 آشیاں جل کے مددیں گزریں
 برق کیوں شعلہ بار ہے اب تک
 فصلِ گل آئی ہے گستاخاں میں
 کیوں فضا سو گوار ہے اب تک
 جانے والے چلے گئے لیکن
 خالی دل کا دیا رہے اب تک
 جس نے ہم کو بھلا دیا دل سے
 اے ضمیر اس سے پیار ہے اب تک



اشعار اگر ہم کی محفل میں سناریں
حالات کے آئینوں کو ہاتھوں میں تھاریں

لفظوں کی دکانوں میں تجھے کچھ نہ ملے گا
مل ان سے حقیقت میں خلد سے جو ملادیں

جو عشق کی منزل ہے وہ ملی نہیں سب کو
یہ شرط ہے آپ اپنے کو دیوانہ بنادیں

اک خاک نشین بندہ تاجیز میں لیکن
ہم چاہیں تو سر قدموں پہ شاہی کا جھکا دیں

اوروں کے سدا عیب دہنر ڈھونڈنے والے
خود راہِ عمل پر کبھی چل کر توبتادیں

سہمے ہوئے حالات کے ماروں یہ کہہ دو
طوفانوں میں ایماں کی ذرا شمع جلا دیں

زندہ ہے ضمیر اپنا تو آواز سے اس کی
سوئے ہوئے ان بانوں کو غفلت سے جگا دیں



میں نے تو ہر اک غم میں ترا نام لیا ہے
یہ تیرا کرم ہے جو مجھے ختام لیا ہے

پیتا ہوں تری مست نگاہی سے اے ساقی
ساغر نہ مرا جی نہ کوئی جام لیا ہے

افسانہ ہستی کے لے اے غمِ دوراں
آغاز لیا ہم نے نہ انجام لیا ہے

یہ درد یہ آنسو یہ ترطبی ہوئیں آہیں
یہ بارگہ عشق سے انعام لیا ہے

پیمانے خود اطرافِ صبر کے گھوم رہے ہیں
میخانے میں ساقی نے مرا نام لیا ہے

پیتے ہی جسے کھلتے ہیں اسرارِ دو عالم
ساقی کی نگاہوں سے دہی جام لیا ہے

اس وقت ضمیر اپنے لبوں پر تھا تبسم
جب زندگانے موت کا پیغام لیا ہے



ہم تو ہر بات کو بے خوف و خطر کہتے ہیں
لوگ حق کو بھی یہ الفاظِ دیگر کہتے ہیں

گیو درخ کو ترے شام دھڑکتے ہیں
ہم تری دید کو معراجِ نظر کہتے ہیں

موت منزل نہیں اک اٹھلہ ہے رستے کا
اس کو دنیا سے گذرنے کا سفر کہتے ہیں

غم پہ اوروں کے چھلکے ہوئے اشکوں کا
کہنے والے تو انہیں لعلِ دگر کہتے ہیں

نازکس منہ سے کرے اپنے ہنر پر کوئی
آج تو عیب کو بھی لوگ ہنر کہتے ہیں

دُوب جاتے ہیں خموشی سے محبت والے
اس لئے ہم تیری آنکھوں کو بھنور کہتے ہیں

نہ دغا ہے نہ حجت نہ مروت نہ خلوص
جو بشر ایسا ہو کیا اس کو بشر کہتے ہیں

اے ضمیر اس لئے ایمان ہے منزلِ تیری
حق پرستی کا اسے لوگ اشر کہتے ہیں



تو عبث اس کی جستجو میں ہے
وہ نہاں شہِ رگِ گلو میں ہے

حسرتوں میں نہ آرزو میں ہے	لطف ملنے کا دو بہ دو میں ہے
نفس کو مارِ زندگی کے لئے	تیسرا دشمن تیرے لہو میں ہے
کیوں میں منزلی کو ڈھونڈنے جاؤں	وہ تو خود میری جستجو میں ہے
حسنِ والوں میں بے دفائی ہے	اور وفا عاشقوں کے خویں ہے
جانِ گلشن ہے تیری رعنائی	تو ہر اک گل میں رنگِ وِلو میں ہے
پی رہا ہوں میں آنکھوں آنکھوں سے	وہ کہاں جام میں سبو میں ہے
زندگی کا پیام دیتی ہے	وہ روانی جو آبِ جو میں ہے
تجھ کو دیوانگی نے پہچانا	عقل حیرانِ جستجو میں ہے
موت کا نام ہے سکوتِ حیات	زندگی شورِ بادِ ہمو میں ہے

ساری دنیا ضمیرِ اب تک بھی
امتیازاتِ ما و تو میں ہے



عکس و ذات کی حد میں آنکھ محو حیرت ہے
 جو تمہاری صورت ہے وہ ہماری صورت ہے
 قربتوں میں دوری ہے دوریوں میں قربت ہے
 اپنی اپنی قسمت ہے اپنی اپنی نسبت ہے
 خونِ دل سے لکھی ہے ہم نے یہ غزلِ حب
 تم قبول کر لینا تحفہ پیشِ خدمت ہے
 اس کا فیض جاری ہے آگے مانگنے والے
 بھرے دامنِ مقصد تیری جتنی ہمت ہے
 تیرا فیض کیا کم ہے اور تجھ سے کیا مانگوں
 جو ضمیرِ زندہ ہے یہ تیری عنایت ہے



دل میں رکھنے کے ہیں زخمِ دل دکھانے نہیں
جو سرِ مشرغاں چمکتے ہیں یہ وہ تارے نہیں

جو قدم رکھتے ہیں منزل
زندگی کے راستوں میں

ان سے کیا ہوگی توقعِ عظمتِ کردار کی
جو کسی بے کس کو سینے سے لگا سکتے نہیں

انقلابوں نے کہاں پہنچا
غیر بھی کلی اپنے تھے آرا

کیوں نذیرِ فصلِ گل دیتی ہے ہم کو زندگی
زخمِ دل وہ پھول ہیں جو کھل کے ہنس سکتے نہیں

جان و دل قربان کر کے
سوچتا ہوں میں یہ سو

رہبری کا ان کو دعویٰ حیف ہے صد حیف ہے
رو قدم بھی اپنے قدموں پر جو چل سکتے نہیں

ان سے خوشبو کی تمنا ہے
ذہن و دل جن کے حجت ہے



کل جو خوشبو کی طرح پھرتے تھے گلزاروں میں
آج وہ قید ہیں خود گھر کی ہی دیواروں میں

نہ ملے گا کوئی اشکوں کے خریداروں میں
لے کر جاؤ نہ یہ موتی کبھی بازاروں میں

ہم گنہگاروں پہ ہر وقت کرم ہے ان کا
نام لکھا نہ بھی اپنا گنہگاروں میں

نہ ملے جام تو پی لیتے ہیں آنسو اپنے
ایسے بھی لوگ ہیں ساقی تیرے میخواروں میں

وہ ہزاروں میں بھی مشکل سے نظر آتے ہیں
نام جن کا نہیں چھپتا کبھی اخباروں میں

بن کے ہم شمع سیر راہ جلا کرتے ہیں
ہم نہیں جاتے کبھی شاہوں کے درباروں میں

جن کے ہاتھوں میں قلم کچھ بھی نہیں لکھ سکتا
نام لکھا ہے کوئی ان کا قلم کاروں میں

زندگی کی تجھے تصویر نظر آئے گی
جا کبھی درد کے مارے ہوئے بے چاروں میں

جس کو کہتے ہیں صنم اس کی ہے منزل حق پر
وہ کہاں ملتا ہے بازاروں میں درباروں میں



کب مٹے گا درِ پیہم کچھ نہ سوچ
ہے عطائے عشق پر غم کچھ نہ سوچ

ان کی نظریں ہم سے ہیں بدلی ہوئیں
ہے مزاجِ یارِ ہر ہم کچھ نہ سوچ

بیٹھے بیٹھے یاد کوئی آگ
ہو گئی کیوں آنکھ پر غم کچھ نہ سوچ

لذتِ زخمِ جگر محسوس کرو
ہو نہیں سکتا کبھی کم کچھ نہ سوچ

فیضِ رحمت کے در کا ہے یہ جان لے
ہو گئیں ہیں گردِ نہیں خم کچھ نہ سوچ

دیکھ عالم کی حقیقت کو ضمیر
اپنا یہ کیا ہے عالم کچھ نہ سوچ



حسین رُخ ہے تمہارا کیسی چمن کی طرح
 ملانہ کوئی بھی مجھ کو یہ بانگین کی طرح
 مزہ تو جب ہے سنے خود وہ داستان مجھ سے
 کوئی سخن کہاں لائے مرے سخن کی طرح
 ہنسو کہ ہوگا اجالا ہماری محفل میں
 تمہاری موجِ تبسم ہے اک کرن کی طرح
 ملو تو مجھ سے سنبھل کر ذرا ملو صاحب
 وجود رکھتا ہوں میں ایک انجمن کی طرح
 ہر ایک آنے کو آتے ہیں تو محفل میں
 ضحیر آپ تو آئے ہیں اپنی فن کی طرح



تو نے دل میں جو کبھی اس کو اتارا ہوتا
تجھ کو قطرے میں سمندر کا نظارہ ہوتا

آپ کی چشمِ کرم کا جو اشارہ ہوتا
عمر بھر کے لئے جینے کا سہارا ہوتا

کچھ تصدق ترے در کا کچھ اتارا ہوتا
بس یوں ہی اپنا زمانے میں گزارا ہوتا

ترے دامن کا اگر ہم کو سہارا ہوتا
دوست تو دوست ہے دشمن بھی ہمارا ہوتا

خود ہی طوفان ترے حق میں کنارہ ہوتا
ڈوبنے والے اگر اس کو پکارا ہوتا

اس کو آنکھوں سے اگر دل میں اتارا ہوتا
پردے کا پردہ نظارے کا نظارہ ہوتا

موت آئی بھی تو مرتا نہیں جینے والا
اے ضمیر اتنا اگر حق کا اشارہ ہوتا



دید سب کچھ ہے اک آدمی کے لئے
ورنہ کیا ہے یہاں زندگی کے لئے

عظمتِ زلیّت ہے بس اسی کے لئے	زندگی جس کا ہو بندگی کے لئے
لوگ جیتے رہے دشمنی کے لئے	ہم تو مرتے رہے دوستی کے لئے
نقشِ پاچھوڑ کر روشنی کے لئے	آپ گزرے مری رہبری کے لئے
نہ آیا یقین آپ کو غمِ بھر	ہم تو جیتے ہیں اک آپ ہی کے لئے
بھول گاشن میں کھل کر جھجھکے	درسِ عبرت بنے ہر کھلی کے لئے
آؤ، ہم سے ملو آؤ، ہم سے ملو	روشنی کے لئے روشنی کے لئے
حوصلہ چاہیئے ان کے دیدار کو	ان کا جلوہ نہیں ہر کسی کے لئے
یاد میں جن کی ہم جان سے بھی گئے	وہ نہ آئے گھڑی دو گھڑی کے لئے
خونِ دل دے کے روشن کئے ہیں چراغ	زندگی وقف کا شاعری کے لئے

خود تصور سے روشن ہے اپنا ضمیر
ہم ترستے نہیں روشنی کے لئے



میں ہوں بیمار دوا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 اپنے آنچل کی ہوا رو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 وہی آواز وہی ساز وہی محفل ہے
 پھر وہی گیت سنا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 امتحان میری وفاؤں کا اگر ہے منظور
 دار پر مجھ کو چڑھا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 موجیں طوفان کی اے دوست ڈلو دیں مجھے
 تم مجھے پار لگا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 اب تم آئے ہو جفاؤں پہ پیشیاں ہو کر
 مجھ کو احساس دلا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی
 جب ضمیر اپنا سلامت ہے تو پروا کیا ہے
 تم زمانے کو بتا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی



جہاں میں جس کو بھی خالق بڑائی دیتا ہے
اسے جہاں کے غموں سے رہائی دیتا ہے

ہر ایک سمت مسلط گھنا اندھیرا تھا
مگر وہ دور سے مجھے اس بھائی دیتا ہے

خدا کے نام سے ہر کام اپنا کر ناداں
تو نارسا ہے تو تجھ کو رسائی دیتا ہے

وہ شان دیدہ وری بخش دی محبت نے
ہے جلوے پردے میں لیکن دکھائی دیتا ہے

ضمیر سے کوئی بہتر نہیں ہے دوست اپنا
مٹا کے دل سے برائی بھلائی دیتا ہے



اگر ہے جذبہ صادق تو عشقِ مہکامل ہے
نہیں تو عشق کا دعویٰ جو ہے وہ باطل ہے

نہ وہ زمانہ نہ ہم ہیں نہ اب وہ محفل ہے
نہ راہِ رو ہے نہ جاہ نہ کوئی منزل ہے
ہر اک ادبے بلا ہر نگاہ قاتل ہے
حیات و موت کے جو درمیان حائل ہے
ہزار اٹھیں بھی طوفان تو غم نہیں مجھ کو
وہ آنکھ آنکھ نہیں ہے وہ قلب قلب نہیں
اے جانے والے تجھے یہ خبر نہیں شاید
مگر یہ دل ہے کہ اب تک اسی پہ مائل ہے
نقطہ خیالِ سفر زندہ گی کا حاصل ہے
ہمارا دل ہی تو ہے جو ترے مقابل ہے
وہ ایک لمحہ ہی تکینِ دیدہ و دل ہے
حکرم اک آپ کا ہر حال میں خوشاں ہے
ترے خیالِ تری دید سے جو غافل ہے
ترے بغیر میں زندہ رہوں یہ مشکل ہے

ضمیرِ لرگ ہزاروں ملیں گے ملنے کو
حقیقتاً ہو کوئی درست سمت مشکل ہے



خاموشیوں میں میری عجب بول چال ہے
 توہی جواب ہے مرا توہی سوال ہے
 لکھا ہوا ہر ایک کے چہرے پہ حال ہے
 یہ وہ کتاب ہے جسے پڑھنا کمال ہے
 اے دل توہی بتادے گذر قہے کس طرح
 وہ بلوچتے ہیں مجھ سے مر آنیہا حال ہے
 اب میری زندگی میں اندھیرا نہ آئے گا
 روشن کسی سے محفلِ فکر و خیال ہے
 کیا چال چل سکے گا زمانہ ہمارے ساتھ
 ہم جانتے ہیں کیسی زمانے کی چال ہے
 اسباب سے اُمید مسبب سے ننا امید
 اے بندہ خدا تجھے کچھ بھی خیال ہے



خبر بھی ہے تجھے یہ زندگی سمندر ہے
تو موجِ غم سے زکل آ اگر شناور ہے

تمہارا حسنِ مجسم بہار ہے گویا
تمہارے سامنے شرمندہ ہر گلِ تر ہے

کبھی تو آؤ ذرا تم غریب خانے پر
تمہاری راہِ گذر میں غریب کا گھر ہے

خیالِ فکر کی شیشہ گری سے کیا حاصل
یقینِ دل میں نہیں تو دل بھی پتھر ہے

نہ جلے میری غزل بے بہر کی محفل میں
ہر ایک لفظِ مرامشِ لعلِ دگوہر ہے

جگر کا خونِ ریا جس نے شاعری کو ضمیر
اسی کے دم سے یہاں عظمتِ سخنور ہے



جلوہ پردہ ہو گیا یا پردہ جھٹکوا ہو گیا
 دیرۂ بسیا کا محفل میں تماشا ہو گیا
 ترے فیضان بصیرت کا کرشمہ ہو گیا
 اک ترابیمار دنیا کا سیحا ہو گیا
 فیض نسبت کیا کہوں ادنیٰ بھی اعلیٰ ہو گیا
 جس طرح دریا میں مل کے قطرہ دریا ہو گیا
 میں ترے در کے تصدق میں ترے در کے نثار
 میرے جینے اور مرنے کا سہارا ہو گیا
 اللہ اللہ عشق کے گلشن کا کیا دستور ہے
 آگ سے تازہ ہوا پانی سے سوکھا ہو گیا
 نقشِ پائے یار ہیں میرے تصویریں ضمیر
 اب مجھے کیا خوف ہے آسان دستا ہو گیا



آنے لگی ہے آہِ بہت گلستانِ پر
الزام آنے جانے کہیں باعبانِ پر

تم ادہ ہو بیچ آنے ہو غیرتِ دکانِ پر
ہم ادہ کہ مر گئے ہیں جو خود اپنی آنِ پر

کیا زندگی مری شہرِ آردِ درخت ہے
پتھر برس رہے ہیں جو میرے مکانِ پر

اہلِ وفا بھلا نہیں سکتے مجھے کبھی
آؤں گا یادِ عشق کے ہر امتحانِ پر

الفقر و فقری جن کا ہو مقصودِ زندگی
رکھتے نہیں نظر کبھی سونے کی کانِ پر

ہم کو خدائے پاک نے بخشا ہے وہ شرف
حق ہے ہمارا اس لئے دونوں جہاںِ پر

پہلی ہنر سے کہہ دو کریں تبصرہ ضمیر
پابندیاں لگا کے زباںِ دبیاںِ پر



عزم و ہمت ہیں تو مشکل کے حوالے کر دو
نقشِ پاہرہ منزل کے حوالے کر دو

ظلم کے آگے جھکاؤ نہ کبھی سراپنا
عظمتِ ذلیلت نہ قاتل کے حوالے کر دو

خود ہی کھل جائیں گے اسرارِ محبت تم پر
عقل کو پیے ذرا دل کے حوالے کر دو

جہدِ بیہم سے ہوا کرتی ہے مشکل آسان
زندگی کو ذرا مشکل کے حوالے کر دو

زندگی کی اسے تصویر یہاں دکھلا دوں
لاؤ اس کو مری محفل کے حوالے کر دو

مصلحت کو شہیں سوداگر دین و ایمان
بھول کر حق کو نہ باطل کے حوالے کر دو

خود ہی سن لیکن صدائیں وہ ضمیرِ حق کی
تم نہ ان کو کبھی باطل کے حوالے کر دو



ان کو دعویٰ ہے بہت حق کی پرستاری کا
امتحان دے نہیں سکتے جو وفاداری کا

تیرے دیوانے سے ملے ہوئے گھبراتے ہیں
مجھ کو لے جاؤ نہ زرد اردوں کی فلفل پر کجیا
آج پھرتے ہیں وہی شہر کے بازاروں میں
انقلابات کی کچھ تم کو خبر ہے کہ نہیں
خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا سے لکھو
عظمتِ فکر و نظر تیرا خدا حافظ ہے
ذہنِ دہل ہو گئے مفلوج خدا خیر کرے
ہم کہاں جائیں گے اب سادہ زاجی لے کر
ہے فقط آپ کے دامن کا سہارا مجھ کو
یہی دیوانہ سبق دیتا ہے ہشیاری کا
چھوٹ سکتا نہیں دامن مری خودداری کا
جن کے رخ پر کجی پردہ تھا حیا داری کا
خوابِ غفلت سے اٹھو وقت ہے بیداری کا
شاعری نام ہے جذبات کی گلکاری کا
شاعری بن گئی اک مشغلہ بے کاری کا
اب میسل ہے کہاں روح کی بیماری کا
آج کے دور میں فن عام ہے مکاری کا
ورنہ دفتر ہے سرِ حشر سید کاری کا

اے ضمیر اپنی حقیقت کا اجالا دے دے
سایہ ہر سو نظر آتا ہے گنہ گاری کا



یا الہی خیر ہو کیا دور ہے آیا ہوا
جو ملا مجھ سے وہ اپنے پر ہے آرایا ہوا

کس کے دل میں آشیان کا ہے خیال آیا ہوا	برق کا دامن ہے ہر سو آج لہرایا ہوا
بن کے دیوانہ تری محفل میں ہوں آیا ہوا	اک اشارے پر تیرے سب کچھ ٹاٹتا ہوں میں
میرے گھر میں توانہ دھڑلے مگر چھایا ہوا	انجمن در انجمن روشن کئے میں نے چراغ
جو زمانے میں زمانے کا ہے ٹھکرایا ہوا	میں نے سینے سے لگایا اس کو بھی اے دوستو
تو ہے میرے سامنے ساغر بدست آیا ہوا	ہے کرم ساقی ترا ہر بزم میں ہر حال میں
اب غزل کے رخ پہ ہے رنگیں نکھار آیا ہوا	میرے خونِ دل کو پھر لفظ موتی بن گئے
میرا دشمن میرا قاتل میرا ہم سایا ہوا	قتل کا الزام کیسے دوں یہ بتلائے کوئی
پرچم شعر و سخن ہر سو ہے لہرایا ہوا	حیدر آباد کن میں اب بھی اردو کی قسم

جس کو بچنے کا سلیقہ تک نہیں ہے الے ضمیر
ہاتھ میں اس کے جھلکتا جام ہے آیا ہوا



کون چن میں ہے نہ کوئی انجن میں ہے
دیوانہ تیرا منزل دارو رسن میں ہے

ایسی بہارِ حسن مرے گلبدن میں ہے	برق و شرر کا رقص نہاں پیرہن میں ہے
اردو کی سرخ روئی جو ملک دکن میں ہے	خونِ جگر کا رنگ ہمارے سخن میں ہے
جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں	لطفِ بہار تجھ سے چن درچن میں ہے
دیکھا تھا بجليوں کو کبھی ان کی آنکھ میں	اک آگ سی لگی ہوئی اب تک بدن میں ہے
اٹھو اے غافلویہ تقاضا ہے وقت کا	درسِ حیات صبح کی پہلی کرن میں ہے
رویا ہوں اس قدر کہ نہی لب پہ آگئی	آرام اس لئے مجھے دیوانے پن میں ہے
ہم مر گئے تو مردہ سمجھے ہیں بے خبر	آغازِ نو حیات کا گویا کفن میں ہے

تو بھی صدا صدائے حقیقت ہے اے ضمیر

آواز حق کی تیری زبانِ دہن میں ہے



میں تو ڈوبا تھا مگر تمہنے ابھارا ہے مجھے
جانتا ہوں یہ کرم صرف تمہارا ہے مجھے

میرے دل میں ہیں نہاں کون دھماکے جگمگ
تو نہ دیکھو نظر دعوتِ نظارہ مجھے

فکر جینے کہ ہے مجھ کو نہ تو غم مرنے کا
دو جہاں کے لئے اک تیرا سہارا ہے مجھے

تو نے کچھ ایسی محبت کا نظر بخشی ہے
میں جدھر دیکھوں ادھر تیرا نظارہ ہے مجھے

یہ عجب ربطِ محبت ہے کوئی کیا جانے
میرے دل کو تو کبھی دل نہ پکارا ہے مجھے

میرے صبیحائے محبت میں ترا عکسِ حسیں
گاہِ شبنم ہے مجھے گاہِ شرار ہے مجھے

میں سمجھتا ہوں یہ خاموش نگاہوں کی زبان
اے ضامیہ! جنہی نظر دل نے پکارا ہے مجھے



نگاہِ وقت اگر بدلی کسی
نظر آتے ہیں اپنے اجنبی سے

میں واقف ہوں رموزِ بے خودی سے	مجھے کیا واسطہ ہے مہکشی سے
بھروسہ زندگی پہ کرنے والے	تو واقف ہی نہیں ہے زندگی سے
وہ تجھ میں اور تو اس میں ہے لیکن	پتہ مل جائے گا تجھ کو تجھی سے
تو اپنا خونِ دل دے دے چمن کو	بہار آجائے گی اے دل ابھی سے
غزل تو خون مانگے ہے جگر کا	تو فن کو دور رکھنا شاعری سے
ہے لاکھوں میں بھی کوئی ایک الیا	طاردے آدمی کو آدمی سے
ہجومِ آہ سے ٹوٹے نہ اک دن	بندھاتا نفس ہے زندگی سے
تو میرے شعر ہی میں دیکھ مجھ کو	ملا ہے آئینہ یہ شاعری سے

ضمیرِ آن بے ضمیروں سے تو کہہ دے
جو ہیں محروم حق کی روشنی سے



ہر شے تمہاری بولتی تصویر بن گئی ہے
میری نظر کی اس طرح تقدیر بن گئی ہے

خاموش آرزوؤں کی تفسیر بن گئی ہے
میری غزل اب آپ کی تصویر بن گئی ہے

خونِ جگر میں ڈوب گئے ابھری ہے شاعری
تاریکیوں میں فکر کی تنویر بن گئی ہے

نابینا کو بھی دیدہ بینا عطا ہوا
خود خاکِ پا بھی آپ کا اکسیر بن گئی ہے

بڑھنے کا فن ہے تجھ میں تو چہرے کو پڑھو ضمیر
آواز دل کی چہرے کا تحریر بن گئی ہے



کہیں زلف کھول کر رہ لبِ بام آنہ جائے
 ججہ زندگی سمجھ کر میں نے عمر بھر پکارا
 کبھی جذبہ محبت تو زبان نہ کھول اپنی
 ہو چاں پہ سر بسجود یہ وقارِ آدمیت
 مجھے آج زلفِ برہم تری یاد آ رہی ہے
 کبھی آس ڈوبتی ہے کبھی نبض ڈوبتی ہے
 سرِ خستہ دیکھتے مجھے بار بار کوئی
 میں نظر سے پی ہا ہوں یہی بیکٹی کا حد
 میں فسانہِ گنیمتِ دل تجھے کس طرح سنا لیا
 مجھے خوف ہے مرادِ تہ دام آنہ جائے
 مہرے لب پہ آہ بن کر ہی نام آنہ جائے
 وہ اٹھا کس رخ سے پردہ سرِ عام آنہ جائے
 مہری راہِ زندگی میں وہ مقام آنہ جائے
 مری زندگی کی آخر کہیں شام آنہ جائے
 کہیں اے اجلی زباں پر ترانہ نام آنہ جائے
 اسے خوف ہے کہ اس کا کہیں نام آنہ جائے
 مری سمت دیکھ ساقی کوئی جام آنہ جائے
 کہیں لب پہ آنسوؤں کے ترانہ نام آنہ جائے

اے ضمیرِ وقتِ مشکل تو پکار اپنے رب کو
 میں سزا قبول کر لوں جو یہ کلام آنہ جائے



پیشِ نگاہِ عارض ہو گیسو رہیں دم
اپنی یہ صبح صبح ہے اپنی یہ شام شام

میرا کرم کہ تو نے نوازل ہے وہ مقام	منزل دکھائی دینے لگی مجھ کو زیرِ کام
ساتی بگڑ کے رہ گیا میخانے کا نظام	پیاسے ہیں خود ہی مینا سبو خمِ مراحِ جام
تم کو بھلا سکوں یہ تو ممکن نہیں رہا	تم ہم خیال و ہم زباں ہم راز ہم خیال
کھونے کی کچھ خبر ہے نہ پانے کی کچھ خبر	یہ سوچتا ہی رہ گیا میں زندگی تمام
پہچانے ہیں صاحبِ علم و ادب	مجھ کو یہ غم نہیں ہے کہ واقف نہیں علوم
خونِ جگر ہے میرا ہر اک پھول کے لئے	کس کا چین ہے سوچنا میرا نہیں ہے کام
اے جینے والو تم سے یہ کہتی ہے ہر گھڑی	کر لو بھلائی کچھ یہاں دو روزہ ہے قیام
محفل میں بٹتے ہیں جگہ خاص دیکھ کر	پہلے کسی کے دل میں تو پیدا کریں مقام

ہم کو مٹا سکا نہ زمانہ کبھی ضمیر
زندہ رہے گا ہم سے وفا کا ہمیشہ نام



گھبرا کے جث روتے ہیں ہم موت کے در سے
 حال تکہ ہیں واقف بہت انجام سفر سے
 گذرا ہوں میں اس طرح تری راہ گذر سے
 اپنوں نے بھی دیکھا مجھے غمروں کی نظر سے
 دیکھو تو بہت دور یوں میں اپنے ہی گھر سے
 سمجھو تو صدا آتا ہے دیوار سے در سے
 مانا کہ یہ اپنوں کی ہی بستی ہے مگر دوست
 پتھر مری سمیت آتے ہیں ہر بار کدھر سے
 اے گردشِ دوراں نہ دکھا مجھ کو تو آنکھیں
 گذرے ہیں ستم کے کئی بادل مرے سر سے
 دیتے ہوئے تسکین بھی تسلی بھی دعا بھی
 وہ دوست کے انداز سے نکلے مرے گھر سے
 ہلکی ہوئی زلفوں سے معطر ہیں فضا میں
 محسوس یہ ہوتا ہے وہ گذرے ہیں ادھر سے
 دنیا مرے دل کو ہے ضیاء بار ابھی تک
 اک بار وہ اترے تھے مرے دل میں نظریے
 دنیا نے ضمیر اس کو کہا سرخ سویرا
 ٹپسکا ہے لہو جب بھی مرے دیدہ ترے



تو ساتھ جب بھی رہا تیرگی نہیں آئی
 حقیقتوں کے سوا کچھ نہیں ہے شعروں میں
 یہ کہکشاں یہ شفق اور یہ چاند تاروں میں
 ہر اک گام مرا آشنائے منزل ہے
 کیا عقابِ جن چراغاں کا اہتمام بہت
 تو دیکھ چشمِ بصیرت سے دل کا آئینہ
 بہارِ گل کا لہو ہے رگوں میں کانٹوں کی
 کسی کے نام سے قائم اگر حیات نہیں
 ترے بغیر کبھی روشنی نہیں آئی
 مبالغہ کی مجھے شاعری نہیں آئی
 ہمارے حسن کی ہی دل کشی نہیں آئی
 مرے قریب کبھی گم رہی نہیں آئی
 ترے بغیر کبھی روشنی نہیں آئی
 چراغِ طور میں یہ روشنی نہیں آئی
 یہ کیا کہ کانٹوں کو اب تک نہیں آئی
 سب سے لو خود تمہیں وابستگی نہیں آئی

تلاشِ منزلِ حق میں بھٹکتے پھرتے ہیں
 قریب جن کے کبھی حقِ رسی نہیں آئی



مرے خدا تو بتا دے یہ امتحاں کب تک
 گرے گا میرے نشیمن پہ بجلیاں کب تک
 نہ کوئی طرزِ نیل ہے نہ کوئی بات نئی
 سناؤ گے وہی فرسودہ داستان کب تک
 یہی سمجھ کے مجھے امتحان دینا ہے
 رہے گا مجھ سے زمانہ یہ بدگماں کب تک
 نہ کوئی راہ نما ہے نہ کوئی منزل ہے
 بھٹکتا ہو نہی رہے گا یہ کارواں کب تک
 ہماری کشتی امید ہے تھپیڑوں میں
 یہ دیکھنا ہے رہے گی رواں دواں کب تک
 ضمیر ہم کو وفا کا صلہ نہیں ملتا
 ہمارا خونِ وفا جائے رائیگاں کب تک



وہ عظمتِ انساں کچھ پایا نہیں کرتے
 غمروں کو محبت سے جو اپنا نہیں کرتے
 بیمارِ محبت کا مداوا نہیں کرتے
 تم کیسے مسیحا ہو کہ اچھا نہیں کرتے
 دنیا ہی میں ہیں پر خواہشِ دنیا نہیں کرتے
 جس باتیں دھوکے سے وہ سودا نہیں کرتے
 ہے ناز بہت ان کو عبث اپنے مہر پر
 فنکار تو فن کا کبھی دعویٰ نہیں کرتے
 کیا ان سے توقع ہو بھلا دادِ سخن کی
 جو شعر کے مفہوم کو سمجھا نہیں کرتے
 حق اپنے پڑوسی کا ادا خاں کریں گے
 جو اپنے ہی گھر کو کبھی دیکھا نہیں کرتے
 وہ حق عبارت کو ادا کیسے کریں گے
 بھولے سے بھی جو شکر کا سجدہ نہیں کرتے
 بنیاد کے پتھر کا طرح رہیے ضمیر آپ
 یوں اپنی بڑائی کا تماشا نہیں کرتے



جب بھی خیال آیا ہے گیسوئے یار کا
 روتے ہیں پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے
 امید کی کرن نظر آئی تو کیا کروں
 ہر دلِ غم کو رشکِ گلستاں بنائے
 پیتا ہے گھول کر غمِ دوراں کی تانیاں
 بنیادِ آشتیاں کی الہی کہاں رکھوں
 اس کو جہاں میں اہل جہاں بوجھتے ہیں کب
 ناحق پرست کیلئے پھولوں کا فرش ہے
 منظرِ نظر میں پھر گیا ابرہہ کا
 آتا ہے جب خیال تیری رنگداز کا
 جب پی لیا ہے زہرِ شبِ انتظار کا
 کیوں رو رہا ہے تھام کے دامنِ یار کا
 ساقی یہ حوصلہ ہے ترے بادِ غوار کا
 ہر سمت دورِ دورہ ہے برقِ دشتِ ار کا
 کیا حال بوجھتے ہو غریب الدیار کا
 اور حق پرست کے لئے رشتہ ہے دار کا

خطرہ جہاں کہیں ہو وہیں آشتیاں رہے
 یہ حکم ہے ضمیرِ دلِ و ضمیرِ دار کا



ہر ہر نفس کو برسرِ پیکار دیکھئے
ہر زندگی پہ موت کے آثار دیکھئے

ہر ایک سانس بن گئی تلوار دیکھئے
یہ عالم مفارقتِ یار دیکھئے

یہ انقلابِ دقت کی رفتار دیکھئے
ویران کتنے ہو گئے گلزار دیکھئے

کب سے ہوں منتظر نگہ التفات کا
اک بار تو ادھر مرے سرکار دیکھئے

شاید اسیرِ نرغہ شربتِ سحر بھی
سُر کتنے چل رہے ہیں بہر دار دیکھئے

پھر لفتِ جفا کو ترستی ہے زندگی
دل بکھر ہوا ہے غم کا طلب گار دیکھئے

شرطِ سفر کے ساتھ جو عزمِ سفر بھی ہو
کس طرح راہ ہوتی ہے ہموار دیکھئے

ہم تو وفا کے نام پہ قربان ہو گئے
اہلِ جہاں یہ شوق کا معیار دیکھئے

کیفِ حیاتِ نورِ محبت کے ساتھ رہو
خواجہِ ضیاء کے ذرا اشعار دیکھئے



وہ کبھی روشنی سے مل نہ سکے
جو غم تیرا سے مل نہ سکے

آپ کے در سے اُٹھ کے دیوانے	پھر کبھی زندگی سے مل نہ سکے
جس کی ہر سانس میں پرستش کی	ہم اسی اجنبی سے مل نہ سکے
پاسِ انسانیت رہا ہر دم	یہ بھلی یہ بُری سے مل نہ سکے
ان کا جینا بھی کوئی جینا ہے	جو کبھی آپ ہی سے مل نہ سکے
ضبطِ غم سے رہیں ملاقاتیں	ہم غمِ برہمی سے مل نہ سکے

شکوہ غیروں سے کیا کریں گے صغیر
دوست بھی دوستی سے مل نہ سکے



تیرا دیوانہ ترے عشق میں کیا ہو بیٹھا
تو اگر ساتھ مرے ہے تب مجھے کیا پروا
وقت کا ہے یہ تقاضا یا سمجھ کا دھوکا
آپ آئینکے یا آئے گی اجل کیا معلوم
ہم کو تجھ سے تو شکایت ہی نہیں ہے کوئی
کتنا امنول ہے جو درد دیا ہے تو نے
سنگدل بن گیا ہے دیکھے پتھر کا صنم
ڈھونڈنے والوں کو کچھ کی خبر ہے کہ نہیں

تیرا دل تیری نظر تیری ادا ہو بیٹھا
غم نہیں مجھ کو زمانہ جو خفا ہو بیٹھا
کل جو اچھا تھا وہی آج برا ہو بیٹھا
آج تو دردِ جگر حد سے سوا ہو بیٹھا
یہ الگ بات ہے تو ہم سے خفا ہو بیٹھا
عمر بھر کی یہ دفاؤں کا صلہ ہو بیٹھا
میں نے چاہا تھا جسے اب وہ خدا ہو بیٹھا
میں کہیں بھی رہوں وہ میرا پتہ ہو بیٹھا

ایک ایسا بھی مقام آیا ہے الفت میں ضمیر
دل کا ساتھی مرا خود دل سے جدا ہو بیٹھا



منزل دکھائی دیگی ابھی زیرِ پا مجھے
یہ دشت کیا ہے دریائے رستہ دیا مجھے
پہچانتا نہیں ہے ابھی ناخدا مجھے
وابستہ اپنے آپ سے رکھنا سدا مجھے
اے کاش کوئی بزم میں پہچانتا مجھے
اک بار اپنے آپ سے ملنا پڑا مجھے
ایسا ہول ہے دیدہ کبینا عطا مجھے
تیرا خیال جب بھی ذرا آگیا مجھے
ہر ابتداء پہ ملتی رہی انتہاء مجھے
شکرِ خدا وہ فیضِ بصیرت عطا مجھے
لیکن ترے کرم نے کیا کیلے کیا مجھے

اک بار ہی سہی ذرا دیکھے صدا مجھے
بخشا ترے کرم نے عجب حوصلہ مجھے
طوفاں کا خوف اس کو ہے مجھ کو خدا مجھے
دونوں جہاں کی آس ہے اک آپکی نظر
خونِ جگر سے میں نے تو روشن کئے چراغ
دستک بغیر گھر جو مقفل تھا کھل گیا
آئینہ گر کو دیکھتا ہوں آئینے میں میں
روشن ہوئے چراغِ امیدوں کے ہر طرف
آخانہ میں دیکھ لے انجامِ دوستو
ہر ذرہ میرے حق میں بنا راہِ معرفت
کیا کیا گنہ نہ مجھے گہوئے ہیں حیات میں

کس کو سناؤں حالِ غمِ زندگِ ضمیر
لمتا نہیں ہے ایک بھی دردِ آشنا مجھے



دل بہت بے قرار ہے ساقی
اب ترانہ طار ہے ساقی

میرے زخموں کے پھول کھلتے ہیں
آنسوؤں کی بہار ہے ساقی

جو تیرا نام لیکے پیتا ہے
اک وہی بارہ خوار ہے ساقی

ماری لات میں نے وُشیا کو
اس کا کیا اعتبار ہے ساقی

چشمِ میگوں کا ایک ساغر اور
جان لیوا خمار ہے ساقی

کام اکثر ضمیمہ آتا ہے
اک یہی یار غار ہے ساقی



عشق کی داستان چھوڑ گئے
 خونِ دل کے نشان چھوڑ گئے
 اس سے بہتر نہ تھا مقام کوئی
 آپ کا مکان چھوڑ گئے
 پھول ترسیں گے رنگ و بو بکریا
 ہم اگر گلستان چھوڑ گئے
 ڈوبے کوئی جب میری کشتی
 ساتھ سب ہر بان چھوڑ گئے
 بات ہوتی ہے پر نہیں ہوتا
 لوگ دل کی زبان چھوڑ گئے
 جس کو عنوان نہ مل سکا اب تک
 آپ وہ داستان چھوڑ گئے
 آپ ملنے ضمیر سے آئے
 جب وہ فانی جہاں چھوڑ گئے



ہم پہ کچھ الزام نہ آئے
 ایسا کوئی پیغام نہ آئے
 ایسی بھی کیا مجبوری ہے
 لب پہ تہسارنام نہ آئے
 تیری محبت میری حقیقت
 اس پہ کوئی الزام نہ آئے
 چاکِ گریباں کرنے والو
 ضبطِ جنوں اب کام نہ آئے
 اللہ اللہ عشق کی دنیا
 صبح نہ جائے شام نہ آئے
 حسنِ جواں ہے بکھرے گیسو
 کوئی اسیرِ دام نہ آئے
 میرا جینا میرا مرنا
 تجھ بن میرے کام نہ آئے
 جن کو ضمیر اپنا کہتے ہو
 ساتھ کبھی دو کام نہ آئے



ذروں کو آفتاب درخشاں بنائیے
اب اور ایک عالم امکاں بنائیے

جس وقت یاد آئے زمانہ بہار کا
ہر داغِ دل رشکِ گلستاں بنائیے

ہنس کر گلے لگائے غمِ زندگی کو آج
خود کو حریفِ گردشِ دوراں بنائیے

رو رخزاں نے چھین لی پھولوں کی تازگی
وقفِ بہار خونِ رگِ جاں بنائیے

حق مانگتے ہیں اپنا ہم اربابِ گلستاں
ہر ایک خار کو گلِ خداں بنائیے

حسنِ بیاں سے بندشِ الفاظ سے سوا
افکارِ نو کو شعر کا سماں بنائیے

ظلمتِ آج راہِ سخن ہے ابھی ضمیر
شمعِ شعور و فکر فروزاں بنائیے



تصور میں سرے نہ جب بھی آئے
 چراغِ داغِ حسرت جھلملائے
 ہزاروں مرحلے راہوں میں آئے
 قدم پھر بھی نہ اپنے ڈگمگائے
 ورائے منزلِ ریر و حرم ہوں
 زمانہ کس طرح اب مجھ کو پائے
 یہ عالم ہے مری مجبوریوں کا
 پھیر جائے تو پھر دل ٹوٹ جائے
 تیری تصویر جب بھی دیکھتا ہوں
 نظر آتے ہیں کچھ اپنے بھی سلے
 نہ رک اے گردشِ چرخِ بریں تو
 کہیں یہ نبضِ ہستی رک نہ جائے
 مرے ہمدرد دنیا میں بہت ہیں
 دمِ مشکل کوئی تو کام آئے
 خموشی بھی ہے اظہارِ محبت
 ضمیر اپنا فسانہ کیوں سنائے



کانٹے ہیں کہیں آگ کہیں سنگ کہیں ہے
بیراہِ محبت ہے کچھ آسان نہیں ہے

تو پاس اگر ہے تو ہر اک چیز حسین ہے
تا عمر بھانے کی قسم کھائی تھی تو نے
ہو جائے فنا ذاتِ خدا میں جو کوئی ذات
اے حسنِ حقیقت تو کبھی جلوہ دکھا دے
وہ چاہے تو قدموں میں زمانے کے چھکاؤ
احساسِ غمِ دوری ہوا ہی نہیں بچھ کو
بکھرا ہوا میخانے کا شیرازہ ہے کب سے
ہیں جلوے رنگا ہوں میں حری کون بھلا گے
لحرا بھی رنگا ہوں میں مری خلیہ بریں ہے
وہ عہدِ محبت بھی تجھے یاد نہیں ہے
کیا ڈھونڈتے ہو اس کو مرکاں ہے نہ کیوں ہے
سجدوں کی اعانت لئے بے تاب جب ہیں ہے
کہنے کو ترے در کا گدا خاک نشیں ہے
محسوس ہو واجب سے کہ تو دل کے قریب ہے
ساقی ہے کہیں سے ہے کہیں جام کہیں ہے
چھپ جائے کوئی مجھ سے یہ ممکن ہی نہیں ہے

کیا نذر کروں گردشِ دوراں کو ضمیر آج
جیسے کی تمنا بھی مرے پاس نہیں ہے



غم اگر دل میں ڈوب جاتے ہیں
 دل مسائل میں ڈوب جاتے ہیں
 لوگ طویل سفر سے گھبرا کر
 فکرِ منزل میں ڈوب جاتے ہیں
 جن کو ٹوٹے ضمیر کی آواز
 خشک ساحل میں ڈوب جاتے ہیں
 تیرے زہریلے طنز کے نشتر
 سب مرے دل میں ڈوب جاتے ہیں
 ہاتھ قاتل کے جوشِ وحشت سے
 خونِ بے مل میں ڈوب جاتے ہیں
 کیا قیامت ہے اہل حق بھی ضمیر
 بحرِ باطل میں ڈوب جاتے ہیں



ایسا وہ دوستی کا صلہ دے گیا مجھے
 اک عمر آرزو کی سزا دے گیا مجھے
 خوابیدہ روح کو مری بیدار کر گیا
 یہ کون آ کے دل پہ صدا دے گیا مجھے
 اب اور اس سچے بڑھ کے ہو عبرت کا کیا مقام
 اک بھول کھل کے درسِ فسادے گیا مجھے
 منزل کا اپنی دلیسے تعین محال تھا
 نقشِ قدم تمہارا پتا دے گیا مجھے
 مہکے ہوئے بدن سے گذر کر قریب سے
 باغِ ارم کی جیسے فضا دے گیا مجھے
 کانٹا ہوں پھر بھی بھول سمجھتے ہیں مجھ کو لوگ
 اے دینے والے کیسی قبا دے گیا مجھے
 ان کی تلاش کرتے ہوئے جب میں تھک گیا
 چپکے سے کوئی میرا پتا دے گیا مجھے
 حاجت نہ کوئی طعنہ اجاب کی رہی
 میرا ضمیر خود ہی سزا دے گیا مجھے



کبھی ہم میں تم میں قرار تھا ہمیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
بڑی اجلی اجلی تھی دیکھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے اب بھی یاد ہے وہ گھڑی مرے پاس تم رہے دیر تک
نہ تھا ہوش جب تمہیں دیکھ کر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ابھی دور منزل شوق تھی سہراہ مجھ سے پھر گئے
مجھے تم نے کر دیا در بہ در تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ تمہاری مجھ سے شکایتیں نئی زندگی کی حکایتیں
مجھے یاد ہیں وہ تمام تر تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نظر آج سوئے رقیب ہے عجب انقلاب نصیب ہے
کبھی مہربان تھے ضمیر پہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو



نہ آنکھوں میں آنسو نہ لب پہ ہنسی ہے
مری زندگی بھی کوئی زندگی ہے

نہ کر باغباں تذکرہ فصلِ گل کا
لو میں ہنسائی ہوئی ہر کھلی ہے

پلا اور ساقی پلا اور ساقی
ابھی تشنگی ہے ابھی تشنگی ہے

محبت میں جینا محبت میں مرنا
جو سچ پوچھیے تو یہی زندگی ہے

ابھی بند ہے راستہ فصلِ گل کا
چمن کی روش پر خزاں چل رہی ہے

مرے آنسوؤں کا تبسم سلامت
شبِ تار میں کس قدر روشنی ہے

ہر اک گام پہ جو بھٹکتا ہو خود ہی
ضمیر ایسے رہبر کی کیا رہبری ہے



وہ رند جس کا نشہ تھکے مو بہ مو رہے
وہ عشق کیا کہ لب پہ فقط گفتگو رہے
رسوا کیا ہے تم کو تمہارے ہی حسن نے
ہر ذخمِ دل حیاتِ محبت کی ہے دلیل
ہیں جا رہے طلب میں ہر گام ساتھ ساتھ
احساں بھلا سکیں گے تصور کا طرح
سہرا آستان سے اٹھ نہ سکے عاجز دید
وہ لبستہ چمن کو خزاں کیا بہار کیا

ساقی تری نظر کے دیوار و دیوار رہے
عاشق رہی ہے جس کی نگاہوں میں تو رہے
سورج کہیں ہے جلوہ مگر چار سو رہے
زندہ وہی شجر ہے کہ جس میں ٹوڑ ہے
جو اس سے بے خبر رہے وہ کوہِ کوہ رہے
وہ دور بھی رہے تو مرے روبرو رہے
ہاں اے نظر جبین کی مری آبرو رہے
جو کم نظر تھے مستقید رنگِ دہو رہے

ہر اک صدا میں ان کا ہی آواز تھی ضمیر
ہم جن سے محوئے سلسلہ گفتگو رہے



جسٹم بن کے جب وہ یادِ قامت سامنے آئی
قیامت آنے سے پہلے قیامت سامنے آئی

تمہارے پاک دامن کی جو نسبت سامنے آئی
نہ دنیا کی نہ عقبی کی حقیقت سامنے آئی

جہاں بھی مقصدِ انساں کی عظمت سامنے آئی
وہاں اے زندگی تیری ضرورت سامنے آئی

محبت کی کشش کہیے یا تاثیر دےا کہیے
جلوے میں گئے ہوں ان کی صورت سامنے آئی

تجھے اے بے وفا ہر حال میں پہچان لیتا ہوں
تیری صورت پہلے تیری سیرت سامنے آئی

کہیں طوفانِ سلاسل اور کہیں دلعکس بن بکد
محبت کی قسم تیری محبت سامنے آئی

مری پر جادوؤں کا حال مجھ سے پوچھے کیا ہوں
جلوے میں آئیں کس کس کی صورت سامنے آئی

یہ دنیا ہے ضمیر اس سے ہمیشہ دور رہنا
کھا دل لٹ گئے جب اس کی صورت سامنے آئی



کیا خبر خارزار ہے دنیا
 یا مجسم بہار ہے دنیا
 آہ ہونٹوں پہ اشک آنکھوں میں
 شاید انسان شکار ہے دنیا
 بھول بھی ہے ہم غریبوں کو
 کتنی مطلب شعار ہے دنیا
 آپ ہی کے حسین خیالوں کی
 اک حسین یادگار ہے دنیا
 وہ بھی جلتے ہیں ہم بھی جلتے ہیں
 کس قدر شعلہ بار ہے دنیا
 میرے اشکوں کے بھول کھلتے ہیں
 دیکھنا لالہ زار ہے دنیا
 جب کسی کی تھی اب کسی کا ہے
 کتنے بے اعتبار ہے دنیا
 اپنا اپنا نصیب ہے یہ ضمیر
 جانے گل ہے کہ خار ہے دنیا



لطف جینے کا سارا گیا
 جب تمہارا سہارا گیا
 حسنِ عارض نکھارا گیا
 گیسوؤں کو سنوارا گیا
 خونِ دل سے جہن میں مرے
 ہر کھلی کو نکھارا گیا
 شامِ غم یوں گذرتی نہ تھی
 وقت پھر بھی گزارا گیا
 رخ سے رک رک کے الٹا گیا
 جذبہٴ دل اُبھارا گیا
 دیکھ کے میرا رنگِ سُخن
 کوئی بے موت مارا گیا
 بزم میں یوں تو سب تھے ضمیر
 نام میرا پکارا گیا



وہ جدا کیا ہو گیا اک حشر بر پا ہو گیا
اس بھری دنیا میں افسوس تہنا ہو گیا

چل رہی ہے آج کل کسی زمانے کی ہوا
کچھ خبر بھی ہے تجھے قاتل مسیحا ہو گیا

میں اگر کھولوں زباں تو ہینِ غم کا خوف ہے
ضبطِ غم تو ہی بتا کیا حال میرا ہو گیا

اُٹھ گئی اُمید جینے کی توجی کر کیا کروں
اب اُجالا بھی مرے حق میں اندھیرا ہو گیا

زندگی اے زندگی تو ہی بتا میں کیا کروں
مجھ کو تیرے نام سے افسوس دھوکا ہو گیا

پھول برساتی ہوئی جب یاد آتی ہے تری
خارِ غم چھنے لگا اور زخم پیدا ہو گیا

دوستوں کا واقعی کتنا بڑا احسان ہے
رفتہ رفتہ دل مرا غم سے شناسا ہو گیا

ایک مدّت سے نشیمن میں اندھیرا تھا ضمیر
دفعۃً ترپٹی گری بجلی اُجالا ہو گیا



یوں بہارِ گلستاں بے آبرو ہونے لگی
 بھول کے بدلے میں کانٹوں کی نمونے لگی
 کس طرف کو ہے رواں رویہ جہاں کارواں
 عظمتِ انسانیت بے آبرو ہونے لگی
 کون جانے کون سبھے عشق کا یہ فلسفہ
 ہے زباں خاموش لیکن گفت گو ہونے لگی
 کون سی منزل پہ لایا مجھ کو ترے عشق نے
 اب توھر آوازِ دل کی تو ہی تو ہونے لگی
 یہ نگاہِ شوق میں کیسا اثر پیدا ہوا
 دیدِ حسنِ یار کا اب چار سو ہونے لگی
 جب کبھی عزمِ سفر ہم نے کیا ہے اے ضمیر
 خود ہی منزل کو ہماری جستجو ہونے لگی



کیا کروں تدبیر آخر میں سبیلنے کے لئے
 قافلہ تیار ہے منزلِ صحیح چلنے کے لئے
 اے وفادارو! وفا کی راہ میں آؤ کبھی
 دو قدم ہی زندگی کے ساتھ چلنے کے لئے
 ہم کو کشتی کی ضرورت ہے نہ ساحل کی طلب
 ہم تو آئے ہیں فقط طوفاں میں ملنے کے لئے
 شاعرِ فطرت ہوں میں انکار کر سکتا نہیں
 ہے مرا خونِ جگر لفظوں میں ٹھہرنے کے لئے
 زندگی کچھ غور کر کیا وقت کہتا ہے تجھے
 تو نہیں ہے اک کفِ افسوس ملنے کے لئے
 ہم بدل سکتے نہیں اپنا مزاجِ زندگی
 انقلاب آیا تو کیا ہم کو بدلنے کے لئے
 وہ چراغِ ریر یا شمعِ حرم ہوا ہے ضمیر
 چاہتا ہے لو کوئی پہرہ اندھ چلنے کے لئے



آپ کو خالق نے بھیجا ہے تدبیر کے لئے
 آپ کب ہیں حضرت انان تنفر کے لئے
 ہم نے مانا آپ آئیں گے مگر آئیں گے کب
 ہم تو ہیں بے چین اظہارِ تشکر کے لئے
 خاکساری عظمتِ انان کی زندہ دلیل
 زندگی انان کا کب تھی تکبر کے لئے
 وہ طاقا تیں نہیں وہ دن نہیں راتیں نہیں
 رہ گئے جلوے تمہارے اک تصور کے لئے
 یہ جمالت یہ کدورت یہ بناوت چھوڑ دے
 تو نے پائی زندگی علمی تبصر کے لئے
 ہر نفس میں اک نئی الجھن کو پاتا ہوں ضمیر
 زندگی مجھ کو طیاشِ تدفکر کے لئے



'خوئے حیرت ہوں میں خود کو دیکھ کر چاروں طرف
 وہ نظر آنے لگا شام و سحر چاروں طرف
 تو جہاں چاہے چلا جاوے خطر چاروں طرف
 ہم گناہگاروں کو بس تیرے کرم پر ناز ہے
 احد ہوں گے وہ وسیلہ کی ہے جن کو احتیاج
 ان کے فیضِ لطف سے غم کے دھندلے چھٹ گئے
 جام و مینا اگر دیرے خود بخود پھرنے لگے
 آگئی شام یہ مقامِ عشق کی منزلِ قریب
 جس کو حاصل ہے بصیرت دیکھ سکتا ہے وہی
 ہے تعینِ عکس کا آئینہ گر چاروں طرف
 دیکھتا ہوں اس کو میں آٹھوں پہ چاروں طرف
 نقشِ پاؤں کے ہنسی گراہ ہر چاروں طرف
 لاج رکھتا ہی پڑے گی عمر بھر چاروں طرف
 آپ کی نسبت سے ہوں میں بلا اثر چاروں طرف
 ہو گئی آخر شبِ غم کی سحر چاروں طرف
 ہے مرے ساقی کی نظر کا اثر چاروں طرف
 ان کا جلوہ دیکھتی ہے اب نظر چاروں طرف
 وہ ہر اک ذرہ میں آتا ہے نظر چاروں طرف

عظمتِ فن جیسے ان کے پاؤں کا زنجیر ہے
 دیکھنا بھرتے نہیں اہل ہنر چاروں طرف



خونِ دستا ہے زخمِ کاری ہے
 زندگی کیا ستم کی ماری ہے
 چشمِ ساقی کا فیض جاری ہے
 میکشوں پر سرور طاری ہے
 آہ یہ کیسی انتظاری ہے
 بے قراری ہی بے قراری ہے
 آپ سے لولگا کے جیتے ہیں
 بس یہی زندگی ہماری ہے
 جو تھے معمارِ شیشِ محلوں کے
 ان پہ الزامِ سنگِ باری ہے
 جس گھڑی پاس وہ نہیں ہوتے
 وہ گھڑی میرے دل پہ بھاری ہے
 تیرے جلوے ہیں میری نظروں میں
 کس لئے مجھ سے پردہ ماری ہے
 ہے ضمیر اس طرف اُدھر دنیا
 کون سی چیز تم کو پیاری ہے



محبت کرنے والوں کو محبت آزماتی ہے
 کسی کی آن جاتی ہے کسی کی جان جاتی ہے
 تخیل کی گل افشانی غزل کا نام پاتی ہے
 بکھا کی یاد سے دھموں کی رُنیا مسکراتی ہے
 وفور غم سے شمع زندگانی تھر تھراتی ہے
 محبت کی ہر اک دھڑکن دفا کو آدھاتی ہے
 کسی کے عارضِ دلب کی ہلی ہے روشنی جب سے
 بہارِ زندگی رنگینوں میں ڈوب جاتی ہے
 مرے بازو پہ زلفوں کی بھری برسات ہوتی تھی
 وہ ساعت یاد آتی ہے وہ ساعت یاد آتی ہے
 وہ رنگ و ڈور کی مغل بہاروں کی وہ رعنائی
 محبت کے دغا پر درف لڑن کو سناتی ہے
 کسی کی یاد میں گم ہو گئی ہے روشنی دل کی
 جو گاہے گاہے راہِ اشکِ غم کو جگمگاتی ہے
 تمہاری زلف کا سایہ چول چلے تو رک جاو
 تھکا ماندہ ہوا ہوں دھوپِ غم کو چیلچلاتی ہے
 ضمیرِ انجامِ الفت پر لرز جاتا ہے دل اکثر
 ہنسی آتی ہے جس دم آنکھ میری ٹپد باقی ہے



کون دیکھے گا ترے ناز وادامیرے بعد
کس کو بھرائے گی بے وقت قضا میرے بعد

کلنے لگے راہوں میں بچھا پھول بچھا دلے
پھر نہ آئے گا کوئی آبلہ پا میرے بعد

میری آواز ہے محفوظ تری محفل میں
یام و در سے تجھے آئے گی صدا میرے بعد

زندگی تو ہی بتا تجھ کو کہاں سے لائوں
اس کو احساس محبت کا ہوا میرے بعد

میں جو ملتا تھا تو ہنس نہ سکا گلے ملتا تھا
ڈھونڈتی پھرتی رہے گا یہ بلا میرے بعد

سانس لیتا ہوں تو شعلہ سا پک جاتا ہے
آشیاں ایسا جلا پھر نہ بچھا میرے بعد

خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا خونِ جنوں
تجھ کو بھر مل نہ سکا رنگِ حنا میرے بعد

ڈھونڈتا پھرتا ہے اب کچھ چھرا صحر
بے وفا کو ہوئی اب قدر وفا میرے بعد

عمر بھر روئے سارہ اپنی جفاؤں پر ضمیر
یاد آئے گا سے میری وفا میرے بعد



اس کا جلوہ مری نظروں میں سدا پھرتا ہے
 ساتھ ہر وقت مرے دوست مرا پھرتا ہے
 چاہنے والے کی کچھ تجھ کو خبر ہے کہ نہیں
 تیرے کوچے میں کوئی شخص سدا پھرتا ہے
 لاکھ پُر خار ہے یہ راہِ محبت لیکن
 کو بہ کو پھر بھی کوئی آبلہ پا پھرتا ہے
 آمدِ فصلِ بہاراں کا نہ کر ذکرِ دوست
 آتشیاں نظروں میں اب جلتا ہوا پھرتا ہے
 خاکِ پہچانش گے اس کو یہ زمانے والے
 عشق میں تیرے جو دیوانہ بنا پھرتا ہے
 غم کی راہوں میں کوئی ساتھ نہیں دے سکتا
 سنتے آئے ہیں کہ سایہ بھی جدا پھرتا ہے
 پایا میں نے تجھے کھوکھو کے خود اپنی ہستی
 جتھو میں مری اب میرا پتہ پھرتا ہے
 اس کے جلوہ کا یہ احساں ہے عنایت ہے ضمیر
 وہ تصور میں مرے صبح و مسا پھرتا ہے



ساری خوشیاں بنیں کسی کے لئے
غم بنامیری زندگی کے لئے

زندگی کو جو مار دے ٹھوکر
اس کو غم ہی نصیب ہوتے ہیں
عظمتِ زلیست اس کی کیا کہیے
بے حقیقت نہ جان تو غم کو
مئے سے مجھ کو نہیں کوئی مطلب
زندگی اک عذاب ہے اپنی
آپ اوروں کے غم پہ ہنستے ہیں
جن کی گلشن پہ حکمرانی تھی
پھول کھلتے ہیں میرے زخموں کے
دیکھ کر ان کی مست آنکھوں کو
عظمتِ زلیست ہے اسی کے لئے
جو بھی جیتا ہے راستی کے لئے
جو اٹھتا ہے غم کیسی کے لئے
اک سہارا ہے زندگی کے لئے
پی رہا ہوں میں بے خودی کے لئے
تو دعا دے نہ زندگی کے لئے
حوصلہ چاہیئے ہنسی کے لئے
وہ ہیں محتاج پنکھڑی کے لئے
کیا بہار آئی زندگی کے لئے
جی ترستا ہے میکشی کے لئے

ہم نے دیکھا ہے زندگی میں ضمیر
لوگ مرتے ہیں زندگی کے لئے



ایک توجو ہو جائے کاش مہرباں اپنا
 یہ زمین اپنی ہے اور یہ آسماں اپنا
 جب کہ ہر گُل گل میں خون ہے رواں اپنا
 پھر یہ کیوں بنا دشمن آج باغباں اپنا
 حادثات راہوں کے کیا ڈرائیں گے مجھ کو
 حوصلہ سلامت ہے غم ہے جواں اپنا
 نذر زندگی کرتا عمر بھر پڑا رہتا
 مجھ کو وہ بنا لیتے سنگِ آستاں اپنا
 دل میں آگ ہے غم کی آنکھ سے رواں آنسو
 جل رہا ہے بارش میں دیکھے مکمل اپنا
 اندھیاں بھی چلتی ہیں برق بھی ترپتی ہے
 جھڑ گیا چمن میں جب ذکرِ آشتیاں اپنا
 میری قبر کا سایہ چھو رہا ہے قدموں کو
 بہرِ فاتحہ آیا کون مہرباں اپنا
 عمر بھر نہیں سنتا جو ضمیر کی آواز
 وہ جھٹکتا رہتا ہے کھوکھلے کارواں اپنا



ہر شیخ و برہمن سے کہتا ہے یہ دیوانہ
 کعبہ ہے مرے دل میں آنکھوں میں کتنی
 آباد رہے ساقی ہر وقت یہ میخانہ
 مے پیتا ہوں میں بھی پیمانہ بہ پیمانہ
 ہر رند یہ کہتا ہے اے ساقی میخانہ
 اک گھونٹ پلا کر اب کر دے مجھے دیوانہ
 تو برق گرا دینا اے جلوہ جانا نہ
 بے تاب ہے جلنے کو میرا دل دیوانہ
 اک بار اسے لا کر گھر میرا دکھا دینا
 دیکھا ہی نہیں جس نے اب تک کوئی پورا
 تو سب پہ کرم فرما مے سب کو عطا فرما
 تخصیص نہ کر ساقی اپنا ہو کہ بیگانہ
 ساقی کے تصور میں ہے مست ضمیر اپنا
 جلووں کی تجلی سے پُر نور ہے کاشانہ



تصوّر میں ان سے ملاقات کر لی
 کہاں رہ کے ہم نے کہاں بات کر لی
 حبسِ رُخ پہ زلفوں کو لہرا کے بولے
 ابھی صبح تھی اور ابھی رات کر لی
 نہ جینے کی خواہش نہ مرنے کی حسرت
 رفاقت کچھ ایسی ترے ساتھ کر لی
 خدا جانے انجام کیا ہو ہمدا
 وفا کی تو ہم نے شروعات کر لی
 زمانے کے ماتھے پہ کیوں بل پڑے ہیں
 کسی نے کسی سے اگر بات کر لی
 مسافر کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے
 کہیں صبح کر لی کہیں رات کر لی
 یہ دردِ مجتہد نشانی ہے ان کی
 قبول اس لیے ایسی سوغات کر لی
 زباں ان کی محفل میں کھلنے نہ پائی
 خموشی سے تفسیرِ جذبات کر لی
 ضمائرِ وفا کا یہی مشغلہ ہے
 تری بات سن لی تری بات کر لی



تنویرِ عہدِ رفتہ بڑھاتے رہیں گے ہم
 جشنِ بہارِ حسن مناتے رہیں گے ہم
 منزلِ موسیٰ کی شان بڑھاتے رہیں گے ہم
 یہ زخمِ زندگی کی امانت ہیں دوستو
 اپنے لہو کی دیکے چمک لفظِ لفظ کو
 آہوں کی جب زبان کوئی جانتا نہیں
 رکھنا ہے باغِ جن میں اجالوں کا کچھ بھرم
 رودادِ حسن و عشق ہماری زبان سے
 اک بار آپ آنے کی زحمت تو کیجئے
 آئینہ دورِ نوز کو دکھاتے رہیں گے ہم
 کانٹوں کو بھی گلے سے لگاتے رہیں گے ہم
 بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے رہیں گے ہم
 قلبِ دلِ نظریں ان کو چھپتے رہیں گے ہم
 موتی بنامِ شعرِ ثنائے رہیں گے ہم
 کب تک فسانہٴ غم کا سناٹے رہیں گے ہم
 خونِ دل و جگر کو جلاتے رہیں گے ہم
 سنتے رہیں گے آپ سناتے رہیں گے ہم
 آنکھیں قدم قدم پہ بچھتے رہیں گے ہم

لے کر خدا کا نام بپاسِ ضمیر و ظرف
 سوئے ہوئے دلوں کو جگاتے رہیں گے ہم



ہر کلمہ خون میں نہائی ہے
 کیسے سمجھوں بہار آئی ہے
 بال دہر ہو چکے ہیں نذرِ قضا
 یہ رہائی کوئی رہائی ہے
 تیرے غم کو لگا کے سینے سے
 میری تقدیر مکرانی ہے
 بزمِ روشن ہے آپ کے دم سے
 آپ نے شمع کیوں جلائی ہے
 تیری ہلکی سی مسکراہٹ سے
 محفلِ زیستِ جگمگائی ہے
 کیا بتائیں گے تیرے دیوانے
 کیا بُرائی ہے کیا بھلائی ہے
 جب بھی اٹھا نقابِ حسنِ ضمیر
 محفلِ عشقِ جگمگائی ہے
 آج تو نے ضمیرِ خود آگاہ
 کتنی اچھی غزل سنائی ہے



کیف پر دستِ فضا اور راستہ ہکا ہوا
 بیٹھے بٹھے دل ہمارا آپ پر شیدا ہوا
 مسکرا کر لوٹ لیتے ہیں مرے ہوش و حواس
 اے حیا پرور یہ کس کے عشق کی تاثیر ہے
 وہ جو چاہے تو ٹاسا سکتا ہے تجھ پر زندگی
 خالقِ انصاف کیا یہی انصاف ہے
 ہجر کی یہ سہارا تیں کیا ڈرائیں گی مجھے
 سرے باتک ہر ادا کہتے ہیں کہ دیکھو مجھے
 اشک ٹپکے آنکھ سے اور آہ لب پر آگئی
 دل جو مدت سے ہمارا تھا پیرا یا ہو گیا
 آپ گزرے ہیں یہاں سے مجھ کو یہ دھککا ہوا
 جانے دیکھے جو ہوا جو کچھ ہوا اچھا ہوا
 پوچھتے ہیں مجھ سے پھر وہ بھوکنے سے کیا ہوا
 آج کیوں پردہ نشیں پردے سے پردا ہوا
 ایسا بھی عاشق تری مفضل میں ہے بیٹھا ہوا
 عشق تو رسوا ہوا اور حسن کا چرچا ہوا
 آسمان عشق پر جب چاند ہے نکلا ہوا
 جسم تیرا حسن کے سہانچے میں ہے ٹہلا ہوا
 اے دلِ نادان تجھے یہ بھیٹے بھیٹے کیا ہوا
 کیا ہوتاؤں حادثہ کیوں کر ہوا کیسا ہوا

اے فیہ آواز تیری رہبر منزلِ بنی
 جب کوئی آتیا مسافر راستہ بھٹکا ہوا



وہ عزمِ سفر کا مجھے اے میرے خدا دے
 سرِ منزلِ مقصود کا قدموں پہ چھکادے
 رہِ شمعِ وفا ہوں تو فنا دے نہ بقا دے
 ہر شامِ جلا دے مجھے ہر صبحِ بھگادے
 ہر اشکِ غمِ دل کو تبسم میں چھپا دے
 کچھ حوصلہ ضبطِ زمانے کو دکھا دے
 تیرے دوڑوں میں دوادے کہ دعا دے
 لازم ہے کہ بیمار کو قدرت ہی شفا دے
 مجبور تھے سننے کو ہو جائے زنا نہ
 تو اپنے فسانے کو مگر رنگِ وفادے
 سانوں میں تسلسلِ ساہے یا دوں کا بدولت
 کس دل سے کوئی آپکی یادوں کو بھلا دے
 احاسِ تسلی کی بھی لاج تو رکھ لے
 پچلے ہوئے آنسو مرے دامن پہ گرا دے
 جو دل میں بھڑکتا ہے ضیاءِ آج مسل
 وہ شعلہِ غمِ دامنِ ہستی نہ جلا دے



یہ ادا بھی اک ستم ہے خود کو تنہا دیکھ کر
 مجھ کو نصرت ہو گئی دیشا سے دینا دیکھ کر
 کوئی جلوہ دیکھ کر اور کوئی پردہ دیکھ کر
 آپ آئے بھی تو آئے راہ دنیا دیکھ کر
 فرق اعلیٰ اور ادنیٰ سے نہ آیا ذہن میں
 تیری محفل نے تو تجھے کواجنہی سمجھا مگر
 عشق کے بازار میں ہوں میں مہتی پر ہے سر
 حالِ غم پہچاننے میں دھوکا کھا جاتا ہوں لوگ
 مسکراتے ہیں وہ آئینے میں کیا کیا دیکھ کر
 لوگ ملتے ہیں یہاں افسوس پیسہ دیکھ کر
 مطمئن کتنے ہیں اہل دل تماشا دیکھ کر
 بے دھڑک آ جلتے رستہ دل لاسدھا دیکھ کر
 نسبت دریا سے اک قطرہ میں دریا دیکھ کر
 ترا غم ملتا رہا چہرہ شناسا دیکھ کر
 کیوں ہنسی آئی خرد کو میرا سودا دیکھ کر
 اک تبسم کا لبوں پر میرے پردا دیکھ کر

بے بصارت شہر میں لعل اور پتھر ایک ہیں
 اے ضمیر آئے ہو کس امید پر کیا دیکھ کر



نہ مجھ کو ڈوبنے کا غم نہ تجھ کو خوفِ طوفان ہے
 یہ آخر کون سی منزل میں عکسِ حسنِ جاناں ہے
 نہ بھی گریباں میں نہ باقی تارِ داماں ہے
 نہ ہو بالکل اسے دل حادثاتِ زندگی سے
 نسکا ہیں جس طرف اٹھیں ادھر جھک کر نظر آئے
 ڈر سکتے نہیں اس مرحلے پر عادتِ تجھ کو
 وفا کی شہی رضا جوئی مروتِ پیار ہمدردی
 مشغورِ عام کیا سمجھے یہ حسنِ عشق کے جذبے
 یہ سچ ہے ایک لذت ہو گئی ترکِ تعلق کو
 مری کشتی ترہ کشتی ہے خدا جس کا نگہبان ہے
 کہ جس کو دیکھ کر خود آئینہٴ تصویرِ حیاں ہے
 مرادِ حق جنوں کیا حاصلِ حشرِ بہاں ہے
 اگر ہے عزمِ کامل تو سمجھ لے مشکلِ آساں ہے
 کچھ اس صورت سے شمعِ آگہی دل میں فروزاں ہے
 مریے اشکِ غم دل کے ہر اک قطرہ میں طوفان ہے
 انہیں دو چار جذبوں میں حیاتِ عشق پنہاں ہے
 کہی کی ذاتِ افانہ کہی کی ذاتِ عموں ہے
 مگر اک نشترِ غم اب بھی نزدیکِ رگِ جان ہے

ضمیر ایسے تو جینے کو جہاں میں سب ہی جیتے ہیں
 مقامِ زندگی کو جو سمجھ جائے وہ ان نہ ہے



تو اگر ہے تو بہارِ گلستاں ہے زندگی
 ورنہ صحرا ہے بیاباں ہے خزاں ہے زندگی
 صرف سالوں کا تسلسل تو نہیں جینے کا نام
 زندگی کہتے ہیں جس کو وہ کہاں ہے زندگی
 آپ کی بس اک نظر سے فیصلہ ہو جائے گا
 اس اور امید کے اب دریاں ہے زندگی
 تجھ سے ملنے کی تمنا لے کے ہم جیتے رہے
 عمر بھر تو ساتھ رہ کر بھی کہاں ہے زندگی
 جینے والے کاش ہو جاتی تجھے اس کی خبر
 زندگی کے واسطے خود امتحاں ہے زندگی
 اس کے دامن میں ہیں ساری دنیا کی نعمتیں
 زندگی سے کس لئے پھر بدگماں ہے زندگی
 زندگی کو کس لئے تنہا سمجھتے ہو ضمایں
 آرزوں کا جس اب کارواں ہے زندگی



نا خدا کو جب خدا کا آسمان ملتا نہیں
 عمر بھر اس کو کناروں کا پتلا ملتا نہیں
 عزم و ہمت ہو تو ہر ایک راستہ نظروں میں ہے
 کون سی منزل ہے جس کا راستا ملتا نہیں
 حادثوں نے غم کے افانے مرتب کر دیئے
 اب کتابید زندگی میں حارثا ملتا نہیں
 اہل باطن کی عنایت بھی ضروری ہے بہت
 اہل ظاہر کے ملائے سے خدا ملتا نہیں
 کچھ نہ کچھ اپنائیت نظروں میں ہونی چاہیے
 اجنبی نظروں کو صورت آشنا ملتا نہیں
 جذبہ سانسوں میں مری یہ کون آخر ہو گیا
 اب مری پہچان اب میرا پتلا ملتا نہیں
 حسن ہر تعمیر کا قائم ہے میری ذات میں
 میں وہ مٹی ہوں مجھے چھانو تو کیا ملتا نہیں
 زندگی رقص خیال دوست ہے اپنی ضمیر
 اب کسی گوشے میں احساسِ انانیت ملتا نہیں



آجاؤ تصور میں میرے دربار سجا کر پھولوں کا
 ہلکا سا تبسم ہر کما کر گلزار کھلا کر پھولوں کا
 اس عارض و لب کی رنگینی دیتی ہے خیالوں کو خوشبو
 دکھلا دو بہاروں کا منظر اب ذکر سنا کر پھولوں کا
 ہر کار و فضائے ہستی کو مدت سے یہ اجڑی اجڑی ہے
 سر کا دو نقاب رخ اپنا نظارہ دکھا کر پھولوں کا
 امید کہاں بخشش کی فقط چار گنگوں کو اے ناداں
 رکھ ساتھ عمل کے پھولوں کو اک باغ لگا کر پھولوں کا
 گلزار بنا دو محفل کو سرشار بنا دو ہر دل کو
 اشعار سنا کر پھولوں کے انداز بت کر پھولوں کا
 کیا جانیں ضمیر آ رہا بابِ خرد یہ اہل جنوں کا سودا ہے
 کانٹوں کو خریداجا تلے بازار لٹا کر پھولوں کا



ساقی تیری نظر کے اشدرے بدل گئے
 ہم جیسے میکشوں کے سپہارے بدل گئے
 وہ مسکراتے چاند ستارے بدل گئے
 تم کیا بدل گئے کہ نظارے بدل گئے
 جب سے تخیلات تمہارے بدل گئے
 حالات زندگی کے ہمارے بدل گئے
 مدت ہوئی کہ دار و رسن پر سکوت ہے
 شاید کہ دردِ عشق کے مارے بدل گئے
 دیوارِ درد بھی اب نظر آتے ہیں اجنبی
 گھر کے ہمارے نقشے ہی ہمارے بدل گئے
 کشتی کا اپنی جب ہے محافظِ خدا صغیر
 میری بلا سے لاکھ کنارے بدل گئے



تا عمر ساتھ رہ کر پھر بھی تو اجنبی ہے
کس منہ سے تجھ کو کہدوں تو میری زندگی ہے

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے کیسے گزر رہی ہے
اے دل تو ہی بتادے کیا حالیِ زندگی ہے

الفاظ اس طرف ہیں تفصیل اس طرف ہے
اور دریاں میں گویا اک نہرِ خامشی ہے

خونِ جگر کو پی کر پھر بھی میں جی رہا ہوں
کیا سمجھے کوئی کیا معیارِ میکشی ہے

جسمِ سحر سے شب کی کون زخمِ دس رہے ہیں
کیا روشنی جہاں کی پہلو بدل رہی ہے

غیر دوا ذکر کیا ہے اپنوں سے مل کے دیکھو
آنکھوں میں بے رخی ہے باتوں میں بے دلی ہے

دیکھ لے ہم نے مل کر تم سے ضمیرِ اکثر
ہر بات میں تمہاری اندازِ شاعری ہے



زندگی اور لپٹی گئی مہینجر کے ساتھ
 آہ پلیٹ ہے مری عرش سے تاثر کے ساتھ
 ویسے تقدیر تو چلتی نہیں تدبیر کے ساتھ
 ہم نے کھیلایا ہے بہت زلفا گرہ گیر کے ساتھ
 جوڑ یہ خوب ہے پھوٹی ہوئی تقدیر کے ساتھ
 تم کو دیکھا نہیں میں نے کبھی شمشیر کے ساتھ
 ہم کو کیوں دیکھ رہا ہے کوئی تحقیر کے ساتھ
 عشق ہو جائے نہ رسوا کہیں ہشیر کے ساتھ
 اس سے ہر دور مل عظمت و توقیر کے ساتھ

میں الجھتا ہی رہا خواب کی تعبیر کے ساتھ
 اس کے جلوے ہیں عیاں صبح کی تنویر کے ساتھ
 قطع تدبیر کا رشتہ نہ ہو تقدیر کے ساتھ
 بیچ و خم سے ہیں لے دوست ڈراتا کیلے
 اُج ساقی نے دیا مجھ کو شکستہ ساغر
 کیسے قاتل ہو کیا کرتے ہو چھپ چھپ کے دار
 م تو وہ ہیں جو زمانے کا مقرر بدلیں
 امن ضبط نہ چھوٹے شبِ فرقت اے دل
 ندگی کا ترے دیوانے نے پایا دہِ صلہ

منظر حسن و محبت کو ذرا دیکھ ضمیر
 کھل گیا رنگِ مصور کا بھی تصویر کے ساتھ



وقتِ مشکل جب بھی آیا بند دروازہ ہوا
 دوستوں کی دوستی کا ہم کو اندازہ ہوا
 جب چراغِ فکر و فن روشن کیا ہم نے ہمیں
 قدر و قیمت دہی دل کا لہو تازہ ہوا
 بس یہی دوچار رہیں شہرِ ادب میں دوستو
 اور جو باقی ہمیا ان پر بند دروازہ ہوا
 حسن کی رعنائیوں کو کم نظر کیا دیکھتے
 کس طرح روئے غزل پر خونِ دل غازہ ہوا
 دورِ حاضر میں اڑیں انبیت کی دھجیاں
 مستِ شرابِ عظمتِ ان کا شیرازہ ہوا
 خود مرے حالات نے لوٹا متاعِ زندگی
 اے غمِ دل تجھ کو کیا احساسِ خمیازہ ہوا
 کیا ملے دادِ جنوں اہلِ خرد اے ضمیر
 ہم کو معیارِ وفا کا خوب اندازہ ہوا

نظمیں

— قطعات —

متفرق اشعار

یہ نظم وزیر اعظم ہند جواہر لعل نہرو کے تحریر کی جلیں پڑھی گئی

چراغِ سیاست

چشمِ انسانیت غم سے پر جوش ہے
زندگی موت سے آج ہم دو شاہ ہے

ہند کا زرہ زرہ سیہ پوش ہے
اب چراغِ سیاست بھی خاموش ہے

دل میں ہندو کا غم یوں اترنے لگا
شامِ غم جیسے سایہ ابھرنے لگا

ساعتِ دوپہر تھی پیامِ اجل
آفتابِ سیاست گیا آج ڈھل

غم کی تاریکیاں چھ اگیں بے محل
آہ ہندو کا ممکن نہیں ہے بدل

کھو گیا درِ نادر جو ابر کہاں
ڈھونڈتی ہے جسے چشمِ ہندوستان

دستی پر سیات کار کھمدار
برصحت تیری کھتی واقعی شاہکار

امن کو زندگی کا بن کر شمار
تو نے بخت ہے انانیت کا وقار

آج دشمن بھی لے تہاں عزت سے نام
کریا تو نے پیدا دلوں میں مقام

شمع ہندوستان لودہ ہی ہے لہو
لاش ہندو جلی شل پر دانہ خو

خاک ہندو کی اڑنے لگی سو بہ سو
سر برہمنہ ہوئی دید کی آرزو

اک تصور تھا ہستی مفقود کا
نام ہر لب پہ تھا ذاتِ موجود کا

وہ ہمارا اجنا و گنگ و چین
ہاں سراپا ہیں تصویرِ رخ و صحن

غم میں ہے دل و فکر آج سارا چین
کچھ گئی ہے دلوں میں خوشی کی کرن

مرگِ محبوب قایم ہے دل سے ضمیر
آج سارا زمانہ ہے غم میں اسیر

کہ گواہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

مستروں کی ہے ہر دل میں آج اک مغل
کہ گواہ ہو گیا ہندوستان میں شامل

وہ کام ہو گیا آساں جو تھا بہت مشکل
قریب آ کے قدم چومنے لگی منزل

کوئی فضا ہو یہ نخرہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ نخرہ ہے ہندوستان ہمارا ہے

ہمارے فن کی عطا تاج ہے اجنا ہے
ہماری پشت پناہی کو خود سہا لہ ہے

ہماری پیاس بجھانے کو رو دجھنلہ ہے
غرضی زلمے میں ہر سو مہا اچر چاہ ہے

کوئی فضا ہو یہ نخرہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ نخرہ ہے ہندوستان ہمارا ہے

چلیں گے دوش بہ دوش آج بونٹوں کے ہم
تو راستوں میں ہیں گے کہیں بھی پیچ نہ خسم

ہر ایک کام کرید گے جو ملے کہ ہم باہم
ہیں گے پھر نہ زمانے میں ہم کسی سے بھی کم

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

ہمارے قوم کے لیڈر ہوں جب جواہر لال
کسی طرح سے کبھی مشکل نہیں وطن کی بھال

کوئی بھی امر نہیں مہربان امیر محال
اہم نہیں سر دشمن کو توڑنے کا سوال

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

کوئی سراپا اٹھائے تو سر کھیل دیں گے
مقابل آئے اگر کوئی تو مسل دیں گے

بدلتا ہو گا اگر وقت کو بدل دیں گے
سپاہیوں کو نئی قوت عمل دیں گے

کوئی فضا ہو یہ لغزہ ہی ہم کو پیارا ہے
ہمیں یہ فخر ہے ہندوستان ہمارا ہے

اتحاد

اتحادِ باہمی سب سے بڑا اعزاز ہے کامرائی کا جہاں میں بس یہی اک راز ہے
ہندو مسلم دوستی اک وقت کی آواز ہے دشمنِ امن و امن اس میں خلل انداز ہے

ایک ہو جائیں اگر دنیا پہ چھا سکتے ہیں ہم
ہر رہ دشوار کو آساں بنا سکتے ہیں ہم

قوتِ عزم و عمل کو آزمانا چاہیے سرکشوں کے سر کو قدموں پر جھکانا چاہیے
بانٹ کر غم غم زدوں کا مسکرانا چاہیے جارہ ایشار میں سب کچھ لٹانا چاہیے

ہم نے صدیوں بعد پایا ہے عوامی اقتدار
ہاتھ سے اپنے نہ جانے پائے شانِ اختیار

مقصدِ جمہوریت کا ترجمان ہے اتحاد عظمتِ انسانیت کا پاسباں ہے اتحاد
ہر جہت میں کامیاب و کامراں ہے اتحاد درحقیقت منزلِ امن و اماں ہے اتحاد

ہندو مسلم مل کے چلنا چاہیے ہر گام پر
ورنہ آرنج آجائے گی ہندوستان کے نام پر

خوابِ غفلت سے ہمیں بیدار ہونا چاہیے دشمنوں سے ملک کے ہشیار ہونا چاہیے
جان دینے ہر طرح تیار ہونا چاہیے کچھ وفاداری کا بھی اظہار ہونا چاہیے

عظمتِ جمہوریت کا بس یہی پیمانہ ہے
ایسی ربط و محبت میں وطن کی شان ہے

محقق حیان چند جہان کی وداعی تقریب کے لئے

محقق گیان چند جہان

پھیلی ہوئی ہے علم و ادب کی یہاں شمع
 ہے گیان چند جہان کی یہ محفل وداع
 تاریکیوں میں علم کی اک شمع ضوفشاں
 تحقیق کو تلاش ہے جس کی وہ ہے یہاں
 لفظوں میں کیا بیان ہو تعریف آپ کی
 سمجھے وہ جس کو گیان ہو تعریف آپ کی
 آساں نہیں حقائق ہستی کا کھولنا
 جو بات ذہن میں نہ ہو وہ بات بولنا
 پختہ شعور و فکر ہیں گہری نگاہ ہے
 یعنی ضییر گیان کا یہ درس گاہ ہے

احمد آباد میں موسیٰ و عیو فرانیسی سفیر کا باغ واقع تھا جو کثر استعمال سے موسیٰ رام باغ ہو گیا۔ جہاں موسیٰ و عیو کی قبر بھی واقع ہے۔

موسس

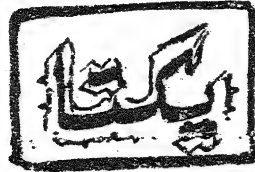
آج بس میں بیٹھ کر تفریح کی خاطر سے ہم
موسیٰ و عیو کی جانب جا رہے تھے صبح دم
ساتھ رزاق دایں تھے ہم خیال وہم زباں
گفتگو کا سلسلہ تھا داستان و داستان

یک بہ یک میری نظر اٹھی اور اٹھ کر جم گئی
جیسے بحر زلیست کی ہر موج رقصاں تھم گئی
سامنے نظروں کے تھی بیٹھی ہوئی ایک نازنین
کیا کہوں تھیں کس قدر اس کی ادائیں دل نشین
انگلیاں ہنڈی سے رنگیں اور چہرے پر نقاب
تھا نقاب لیشمی سے منعکس رنگ شباب
مجھ پہ چھپ چھپ کے نظروں ڈالتی تھی بار بار
جلجلیاں جس طرح ہوں بادل کے اندر بے قرار

ہر تبسم کے اشارے میں تھا حکم و درہاش
اور چہرہ صبح خنداں کی طرح تھا نوپاش
رابطہ بڑھنے بھی نہ پایا وقتِ رخصت آگیا
بس ہیرے ہی اتر کر ہو گئی مجھ سے جدا
جا رہی تھی باغ کے نزدیک سے مست خرام
کر رہی تھی ہر شجر کی شاخ جھک جھک کر سلام

نا پسندیدہ نہ ہوتا عین جنگل میں مقام
کاش اس کے چلنے والوں میں ہوتا میرا نام
ایسے دیرانے پر فکر شاعر رنگیں منشا
دو ذرہ پر تصدق ماہ و انجم کا نکھار

دو گھڑی میں میرے دل کو کر گئی زیر و زبر
کب ملے گی اے ضمیر ایسی مجھے پھر ہم سفر



وقت کی آواز ہے یہ وقت کا آواز
کامیابی کا ہماری صرف یکتا راز ہے

آبتاؤں تجھ کو یکتا میں ہیں کسی انہمیتیں
زندگی کی راہ میں ہر گام پر ہیں عظمتیں

یکتا یکتا کی صدا ہر سمت سے آتی رہے
اور فضا بے زندگی یوں کیف بڑھتی رہے

ہندو مسلم سکھ عیبانی ہم خیال وہم وطن
ان کے دم کا نہیں ہے ان کے دم سے ہے چین

اب نہ اخلاص و مروت نہ وفا نہ پیار ہے
قتل و خون غارت گری کا گرم اب بازار ہے

نفرتوں کی آگ ہے اور حسرتوں کا خون ہے
کیا ہی دستور ہے اپنا ہی قانون ہے

ہم کو آزادی کا کچھ احساس ہونا چاہیے
عظمتِ جمہوریت کا پاس ہونا چاہیے

اے ضمیر آہیں میں ہم شہر و شکر ہو جائیں گے
پرچمِ امن دامن بن کر سد الہرائیں گے

تَحَفُّلَا

دردِ دل درِ جگر، دردِ محبتِ بھجوں یا غمِ ذوقِ تمنا غمِ فرقتِ بھجوں
دل کی ناکام تڑپیں ہوئی حسرتِ بھجوں یا ترے عشق کا احساسِ مذلتِ بھجوں
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

مرصوفِ ریسٹ کا اپنی کوئی عنوان لے کر عہدِ ماضی کا وہ اندازِ بہار لے کر
زندگانی سے غمِ گردشِ دوراں لے کر اپنی تخیل سے یا عظمتِ ان لے کر
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

اپنے اشعار کی رنگین بیانی دے دوں خونِ ارماں کی اک انمول نشانی دے دوں
غم میں بڑھتی ہوئی اشکوں کی روانی دے دوں سوچتا ہوں کہ تجھے عہدِ جوانی دے دوں
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

مسقوٰۃِ شرکاء میں لرزے ہوئے آنسو کی قسم گلشنِ شوق میں بکھری ہوئی خوشبو کی قسم
پستے بدلے ہوئے حالات کے پہلو کی قسم کتنی گھائل ہے محبتِ ترے آبرو کی قسم
غور کرتا ہوں تجھے پیش کروں کیا تحفہ

شاعری

شعروں کی جنتِ ذہنی میں کھو جاتا ہوں میں مسکراہٹ میں غمِ دل کو ڈبو جاتا ہوں میں
پاس رہ کے سب کے سب سے دور ہو جاتا ہوں میں وقت پڑتا ہے تو کانٹوں پر بھی سو جاتا ہوں میں

دم قدم سے ہے مرے لیل و نہار زندگی

وہ خراں کا دور ہو یا ہو، بہارِ زندگی

سامنے میرے مجسم ہو کے آتی ہے غزل مجھ کو ہستا دیکھ سے خود مسکراتی ہے غزل
جب بھی پیغامِ محبت کو سناتی ہے غزل مجھ سے تنہائی میں اکثر کھیل جاتی ہے غزل

وارداتِ عشق کی تشریح میرا کام ہے

شاعری کیلئے مری الہام ہی الہام ہے

کچھ نہیں ہے فکر بس فکرِ سخن ہے صبح و شام چھینے لیتا ہے توانائی مری زورِ کلام
کس طرح ہو کاروبارِ زندگی کا اہتمام وقتِ احساس تجھ کو دور سے میرا سلام

لوگتھی ہے ہر قدم پر اک نہ اک آفت مجھے

کب میسر ہو گا کوئی لمحہ راحت مجھے

ذوقِ فطرت کو بدل یا بھر مری حالت بدل زندگی دے شاعرِ برباد کی قسمت بدل
نعمتِ آرام سے کچھ درد کی لذت بدل اے بدلنے والے میری فکر کی صورت بدل

ورنہ میری شاعرانہ زندگی مٹ جائے گی

صفحہ کونین سے زندہ دلی مٹ جائے گی



آج پھولوں پر جوانی ہے بہاروں پر شباب
آج ہر اک بزم میں بجتے ہیں پھر خاک اور با
ہے تبسم لب پہ غنچوں کے مہکتے ہیں گلاب
آج آنکھوں کو نظر آتے ہیں پھر الفت خواب
رات آہستہ گذرتی ہے محبت کے لئے
راہِ آزادی سورتی ہے محبت کے لئے

آج گلشن میں بہاریں قصہ فرماتے لگیں
اور خوشیوں کے ترانے بلبلیں گانے لگیں
چار جانب سے ہوائیں تھومتی آنے لگیں
دوش پر یادِ شہیدانِ وطن لانے لگیں
خونِ آزادی کا ریکھو کیا حسین انجام ہے
مسکراؤ مسکرا کر زندگی کا کام ہے

رجسٹن آزادی منائیں گائیں آزادی کے گیت
آج ہے پندہ اگت اور آج ہے بھارت کی حیات
ہے یہ قانونِ الفت ہے یہی الفت کی ریت
مثل بالو چاہیے ہر ایک کو اپنوں سے پیٹ
اب وہ دنیا میں نہیں پران کا ادچھا ہے مقام
گوشے گوشے میں رہے گا ہر زبان پر ان کا نام

آج ہر اک سانس اپنی کہہ رہی ہے اے ضمیر
ہم محبت کے پجاری ہم محبت کے اسیر
ہم بہاروں کے نگہباں ہم بہاروں کے صیفر
ہم سے ہے شانِ وطن ہم قوم کے ہیں دیگر
خونِ آزادی رگوں میں جتا جڑھتا جائے گا
کاروانِ زندگی آنا ہی بڑھتا جائے گا

لباسِ حِث

لباسِ نو کے پروے میں متاعِ حنِ عریاں ہے نے فیشن کی بے باکی پہ چشمِ شرم غریباں ہے
مگر کی ہر لچک گویا حیاتِ نو کا عنوان ہے ترقی کی یہ حالت دیکھ کے تہذیبِ گریباں ہے

ہنیں جچا کوئی حنِ تقدسِ حسنِ خوباں پر
ہے داغِ بدنامی چہرہ، تہذیبِ انساں پر

ابھر جاتے ہیں سب اعضاءِ لباسِ حِث میں اگر نہ لے کیوں جائزہ چشمِ ہوس پھر از قدمِ تاسر
جہاں ہرزاد یہ بتلا رہا ہے خود حسیں پیکر نظر کو دعوتِ نظر ادا دیتا ہے جہاں منظر

جوانی کی یہ مستی جن کی یہ شوخیاں توبہ

بھرے جذبات کے طوفان کی انگڑائیاں توبہ

نخلِ اے نازنین ہندوستانی کی قمِ تھکوکو خیالِ لیلِ نور کفِ پڑے گاکم سے کم تجھ کو
کہ مستقبل کو کرکشن ہے ماضی کا بھرم تھکوکو وہِ النایت پر ہی اٹھانا ہے قدم تجھ کو

ضمیرِ اللہ جس کی چہرِ شرم و حیا بخشنے
مسخر کر نہیں سکتے اے پھر مغربی فتنے



تو کاشنِ نظریں ارب کی بہار ہے فکر و شعور و علم کی سرمایہ دار ہے
تیری جہیں سے حسنِ غزل آشکار ہے دنیائے علم میں تو بڑی باوقار ہے
روشن تجھی سے غالب و چکبست کا ہے نام
دنیا میں سر بلند ہے اردو تیرا مقام

دامن ہے تیرا علم کی دولت سے مالا مال لفظوں میں تیرے حسنِ حقیقت کا ہے جمال
ہے مستند جہاں میں ترا طرزِ قیاسِ تعال انشاء اللہ رہے گا ترا حسنِ لانعال
تو فطرتاً زبانِ وفا ہے خلیق ہے
دشمن نہیں کسی کی تو سب کی رفیق ہے

آزاد ہند کا بھی لغزہ بنی ہے تو ثابت وفا پرست وطن میں ہوئی ہے تو
ہر ایک فردِ قوم کے گھر میں رہی ہے تو کس منہ سے کوئی تجھ کو کہے اجنبی ہے تو
تو شمعِ فکر و فن ہے متاعِ خیال ہے
تیرا وجود دہر سے مشامِ حال ہے

بے قید فرقہ سب نے کیا ہے ترا طواف تیری ادا سے مٹ گئے ذہنوں کے اختلاف
وہ بھی ہیں دوست آج جو کل تک رہے غلام لازم ہے سب پہ اب تری خدمت کا اعتراف

ہر لمحہ ترے دم سے بڑھاپے دقارِ قوم
تو چار سو برس سے ہے خدمت گزارِ قوم

ننگے وقت

اک بلائے ناگہانی سر پہ ہے آئی ہوئی ہر طرف دھشت پسندی کی فضا چھائی ہوئی
حق کسی کا پھین نے ناحق کی دارائی ہوئی عظمتِ انسانیت ہے ٹھوکر سے کھائی ہوئی
ہر طرف ہے خون انہں ہر طرف اک آگ ہے

ذکر کیا جنگل کا اپنی آستین میں ناگ ہے

دورِ نفسی نفی ہے یہ عہدِ بے امن و اماں آج ہے قہر و غضب کا ہر طرف طوفانِ رواں
کارواں کو ٹٹلتا ہے خود امیرِ کارواں اک بھیانک شور سناتے ہیں ہے ڈوبا جہاں

رحم کر نام محمد کی قسم دے کر سویم

تا بہ کہ رنج و محن در دالم دے کر سویم



چلتے پھرتے لوگ بھبھکے جاں نظر آنے لگے جسم پیراہن میں بھی عریاں نظر آنے لگے
 روپ میں انسان کے حوال نظر آنے لگے دیدہ ور بھی دیدہ حیراں نظر آنے لگے
 آدھی آدھی کے خون کا پیا سا ہے آج

یہ مرض اب لا دوا ہے یہ مرض ہے لاعلاج

گھر جلا کر شاد ہیں گھر لوٹ کر آباد ہیں کیا ستم ہے ملک میں کیسے ستم ایجاد ہیں
 پاسبان قوم و ملت مائل فریاد ہیں شاد ہیں اہل جفا اہل وفا برباد ہیں
 ایک ہو کر بھی یہاں تقسیم ہو جاتے ہیں لوگ
 وقت کے دھارے میں اب خود کو ڈبو جاتے ہیں لوگ

سفر توں کی آگ ہے بھڑکی ہوئی چاروں طرف فرقہ بندی کی ہوا بھیلی ہوئی چاروں طرف
 ہے فضائے قتل و خون بڑھتی ہوئی چاروں طرف ذہنِ دہلے پر بے حسی چھائی ہوئی چاروں طرف
 مسجد اور مندر کی عظمت بھی تجارت ہو گئی
 لے ضمیر اپنے وطن کی کیسی حالت ہو گئی

سادگی

سادگی انسان کے معیار کی پہچان ہے سادگی گفتار کی کردار کی پہچان ہے
سادگی صورتِ گرمحسار کی پہچان ہے سادگی کانٹوں میں بھی گلزار کی پہچان ہے
سادگی کا شان ہی انسانیت کی جان ہے

یہ نہیں تو بس سمجھ لو آدمی حیوان ہے
سادگی کیا ہے حقیقت میں وقارِ زندگی سادگی کیا ہے مزاجِ آدمی کی برتری
سادگی کیا ایک درسِ حاصلِ امر دہی سادگی دل کے اندھیروں میں ہے گویا روشنی
خواہش بے جا نہ ہو جس میں دہی انسان ہے

عظمتِ انسانیت کا بس یہی پہچان ہے
سادگی کو جو بنالیت ہے عنوانِ حیات بس وہی پہچان سکتا ہے یہ عرفانِ حیات
سادگی مل جائے جس کو مثلی سامانِ حیات اس کا ہر کارِ عمل ہے اصل میں جانِ حیات
اے مزاجِ دہرا ب تیرے تقاضے اور یہی
تو سمجھ سکتا نہیں اخلاق کے جو طور ہیں

سادہ دل سادہ طبیعت اور یہ سادہ خیال واقعی کہلائے گا ہر دور میں یہ خوش خصال
 اہل دل اہل نظر اہل وفا اہل کمال قابلِ تعریف ہوگی ایسی طرزِ پے مثال
 زندگی کو جس نے پہنایا ہے یہ سادہ لباس
 زندگی چنر روزہ اس کو ہی آئی ہے اس
 کب خدا نے یہ کہا ہے سادگی کو چھوڑیے یہ حقیقت ہے حقیقت سے نہ منہ کو موڑیے
 زور پر تو حق پرستوں کے نہ دل کو توڑیے آپ انساں ہیں تو انسانوں سے رشتے جوڑیے
 ہے سلامت آدمیت سادگی کے نام سے
 سادگی باقی رہے گی اس نرالے کام سے
 سے ضمیر اب تجھ سے بڑھ کر کیا بتائے گا کوئی دہر کو آوازِ حق اب کیا سنائے گا کوئی
 جڑ ترے راہِ حقیقت کیا دکھائے گا کوئی خوابِ غفلت سے کی کو کیا جگائے گا کوئی
 سادگی میں ہم نے دیکھی ہیں خدا کی رحمتیں
 عظمتِ انسان کی پوشیدہ ہیں اس میں عظمتیں

تَبَارَکَ وَتَعَالٰی جَبَّ جَبَّ عَبْدُ الْکَرِیْمِ اَعُوْذُ بِمَقْبُوْلِ صَاحِبِیْمِ اے سیدِ مَوْقِلِی
نَامَہٗ مَنَظُوْمٌ

سلام شوق ہمارا قبول ہو مقبول
 تمہارے دوست رہیں شادا اور عداوہوں ملول

خداے پاک کی نازل ہو ہر گھڑی رحمت	تمام عمر کی طرح کی نہ ہو زحمت
خط آیا آپ کا تسکین قلب نے پائی	دہ خط جو بن گیا دل کا انیس تہائی
وہ سادے لفظوں میں دل کے خلوص کی تصویر	پڑھیں گے شوق سے کیوں ہم نہ آپ کی تحریر
ملی ہے آپ کو تنخواہ سن کے دل ہے شاد	قبول کیجئے اس بندہ کی مبارک باد
یہ بدلیسی ہے بچھڑے ہو تم جو مادر سے	سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے اب پیار
تمہارے سر سے جو مادر کا اٹھ گیا سایا	عزیز اور اقارب کو رہنمائی ہے اس کا
اجل کے ساتھ وہ جنت کو ہو گئیں راہی	تمہارے بیاہ کی حسرت نہ ہو سکی پوری
خدا کا شکر ہے پڑھ لکھ کے تم ہوئے عاقل	یہ سب ہے فیض پدر کا جو تم ہوئے قابل
یہ تم کو لکھا ہے جو کچھ خلیل لمحوں میں	سمٹ کے آگیا مضمون چند لفظوں میں
جواب میں نہ ہو تاخیر یہ خیال ہے	اور انتظار کا دل کو نہ بھر ملال ہے

عزیز اور اقارب کا لکھ کے دل سے سلام
 ضیاء آپ کا کرتا ہے فتم اپنا کلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حُجَّابِ بَنی سَاجِدِ صَاحِبِ جَرَنُوسٹ کی دخترِ اولِ قمر شاہینِ کَلَامِ اُکبَرِی۔ اُمِّ ابْنِ اُمِّ ابْنِ کامیابی
کے موقع پر

نظمِ سِرَّتِ کامیابی مَصَّم

۱۹ ۸۳

بارک اللہ نسبتِ بندہ نوازی کا شباب
قرۃ العین آپ کی پانی ہیں وہ طبعِ سلیم
خودِ علی جُزوفِ طست اور ذہانتِ بیکراں
حال جب ذہن رسا کا ہو اگر اتنا قوی
یہ خدا کی دین ہے اس میں نہیں کوئی کلام
ہو مبارک آپ کو ساجدِ حُسنی تہنیت

آپ پر ساجدِ حُسنی ہے کرم یوں بے حساب
پورے کالج میں بڑی مشکل سے ملتا ہے جواب
دیکھ لیں اک بار تو آئبر ہوں اسباقِ کتاب
باعثِ حیرت نہیں چمکے وہ بن کر آفتاب
کھانے والے کھاتے رہتے ہیں ہمیشہ تیرجِ دباب
آپ کی بیٹی کا مستقبل ہے نسلِ ماہتاب

کامیابی کی لکھو تاریخِ ہجری میں ضمیمہ

شہرہ کامل قمر شاہینِ بی۔ اے کامیابی

۱۳۰۴ھ

بِعَوْنِ اللَّهِ الْعَزِيزِ خواجه ضمیمہ

۱۹ ۸۳ء

عید

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

یہاں ہندو مسلمان عید کی خوشیاں مناتے ہیں
یہاں سب امن کا آئینہ دنیا کو دکھاتے ہیں
یہاں اپنوں کو غیروں کو بھی سینے سے لگاتے ہیں

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

لحاف تری قربت کی مرے نعروں میں ڈھلچاتی ہے
ترے جلوؤں کی تابانی میں میری فکر پلپتی ہے
پُری سانوں کی خوشبو میں مری ہر سانس چلتی ہے

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

ترے ہی دم سے باقی ہے زمانے میں حیات اپنی
زمین اپنی فلک اپنا یہ دن اپنا یہ رات اپنی
ضمیر اپنا سلامت ہے تو ساری کائنات اپنی

مبارک ہوں تجھے اے دوست یہ خوشیاں مبارک ہوں
ہلالِ عید نکلا عید کے سماں مبارک ہوں

عید

جلوہِ ناپا ہے ماہِ نوسوئے فلک اکٹھا نظر
سن لے پیامِ عید کا میری خبر لے بے خبر

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

ساغیرھے پلا پلا ہو شی مرے اڑا اڑا
روئے حیں دکھا دکھا آنچل ذرا ہٹا ہٹا

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

سب کو ہے تیری جستجو تجھ کو ہے کس کی جستجو
آکے گلے لگا مجھے پوری ہو دل کی آرزو

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

تیری یہ زیر لب ہنسی و مشکِ بہار گلستاں
حسن و جمال سے تیرے نازِ مکر مرا جہاں

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

رستے بدل گئے تو کی دو دلوں وطن کی شان ہیں
شیخ و برہمن آج بھی اپنے جن کی آن ہیں

حسن کی تیرے دید ہو عشق کی میرے عید ہو

گیت

میں بے راگن میں دکھیا ری
پیت کی پیاسی پیت کی ماسی
گلین گلین تو ہے پکاری
یاد میں رورو رین گزارے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

تو ناہیں آئے جی گھبرائے
کارے کارے بادل چھائے
رم جھم رم جھم جل برسائے
گیت ملن کے کوئل گائے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

سائن کا بندھن لٹ نہ جائے
دل کا پھیولا پھوٹ نہ جائے
روح کا پتھری پھوٹ نہ جائے
آس کو بیرن لٹ نہ جائے
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

تجھ بن جیون جیون ناہیں
تجھ بن گلشن گلشن ناہیں
تجھ بن سادن سادن ناہیں
تجھ بن کچھ بھی ساجن ناہیں
آجا آجا آجا آجا
آ آ آ آ آ آ آ

کیا ہمیں یاد نہیں

چھول کھلتے تھے بہاروں کے پیام آتے تھے
چاند تاروں سے مجھت کے سلام آتے تھے
مست آنکھوں سے چمکتے ہوئے جام آتے تھے

کیا ہمیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

میں تمہیں جانِ غزل جانِ وفا کہتا تھا
میں تمہیں دل کے دھڑکنے کی صدا کہتا تھا
میں تمہیں دردِ محبت کی دوا کہتا تھا

کیا ہمیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

میرے دل میں رہے تم دل کا سہارا بن کر
میری آنکھوں میں رہے آنکھوں کا تارا بن کر
جیسے طوفان میں ہو کوئی کشتی کا رابن کر

کیا ہمیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

تم نے چپ ساتھ نبھانے کی قسم کھائی تھی
زندگیا پیار کی قدموں میں سمٹ آئی تھی
دلِ تاریک میں اک روشنی لہرائی تھی

کیا ہمیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

رودِ بن کر مرے سینے میں اتر جاتے تھے
اشک بن کر مری پیکوں پہ بھر جاتے تھے
ہے ضمیر اپنا یہ کہتے ہوئے مرجاتے تھے

کیا ہمیں یاد نہیں کچھ بھی تمہیں یاد نہیں

وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے تخریبی جلسے میں یہ قتلہ کیا گیا



وا دیوں میں موت کی نیا ب کوھر کھو گیا
روشنی کا ہند کی ہلے مُقدّر سو گیا
راجیو کی موت پر ہر فرد عالم کا ضمیر
دل گرفتہ ہو گیا مصروفِ ماتم ہو گیا



یہ تقریب اُکادمی جو نشاطِ جاوَدانی ہے
یہ قومی یک جہتی کی گویا زندہ نشانی ہے
وقارِ ہند دُنیا میں سلامت ہے ضمیرِ آریا
یہی تو عظمتِ انسانیت کی راجدھانی ہے

صداۃ اول حشمت با تو سلمہا کی پسید آتش پرہ

قطعات



ہر ایک کا دل فرسند ہے اب پیلاشِ حشمت بالو
گھر بھر میں خوشی کی دھوم مچی ہے خاص جو قصّہ یانی
تاریخ تولد کھد و ضمیر اب تم بھی صوری صحت میں
تیرہ سواٹھتر، بھری ہے اور گیارہ جماد الثانی

۷۸ء ۱۳



تمنا ہے یہی دل کی گرمیرا ساتھ دے قیمت
بچھا دوں تیرے قدموں میں زمانے بھر کی ہر راحت
ضمیرِ خستہ دل کی آرزوں کا تقاضا ہے
تجھے پروان پڑھتے دیکھ لوں آنکھوں سے اے حشمت

لطف کی بنیاد ہو یا عیش کی ہمید ہو
بے ارادہ پار آور دل کی ہر امید ہو
جو ہم ایسے درد مندوں کو بھی خوش کر دے کبھی
بندہ پرور عید ہو کر تکی تو ایسی عید ہو

جاں بلب سی ہو گئی ہے دل میں حسرت عید کی
رب گئی ہے کس قدر مویج مسرت عید کی
مسکراہٹ میں نہاں طوفانِ غم ہے اے ضمیر
ہائے کس ماحول میں دیکھی ہے صورت عید کی

عید آئی ہے غریبوں کو رلانے کے لئے
دل کے ارمانوں کو مٹی میں مٹانے کے لئے

آ رہا ہے خیالِ عید مجھے
جانے کیا دہلائی عید مجھے

عیش و عشرت اور طرب کا لطف تیری دید ہے
تو نہیں جب سامنے تو خاک میری عید ہے

خوشی کا ذکر کہاں غم کو ساتھ لائی ہے
یہ تحفہ لے کے ضمیر آج عید آئی ہے



جب گلستاں کو بہاروں سے سجایا میں نے
گل تو ہاتھ آنے کا خار ہی پایا میں نے
یوں تو روشن کیا ہر گوشہ دنیا کو ضمیر
دیکھا اپنے ہی شہستاں پہ اندھیرا میں نے



اس قدر بدلی ہوئی قسمت پہ کیوں حیران ہے
مرتہ تیرا بہت اور بچا ہے تو ان ہے
مشکلوں میں یاد رکھ بس اک یہی حق ضمیر
عزمِ کامل ہو تو ہر مشکل تیری آسان ہے



کیا پوچھتا ہے مجھ سے نظامِ بہار تو
پھولوں سے بڑھ کے خار کی ہوتا ہے آبرو
سیرِ چین سے آج تو باز آئے ہم ضمیر
ہر پھول میں ہے خونِ جگر خونِ آبرو

شاعری کا ہے تعلق اس طرح عرفان سے
زندگی کا ربط ہے جس طرح جسم و جان سے
کو رباطن کیا مقام شاعری سمجھے ضمیر
بلوچھے اس کی حقیقت حضرت حسانؓ سے

جھومے ہیں میری خوش فکری پہ شیخ و برہمن
گرم ہو جاتا ہے مجھ سے محفل شعر و سخن
خونِ دل خونِ جگر کا رنگ لے کر لے ضمیر
بھوٹی ہے میری غزلوں سے محبت کی کرن

میر مسک میا ہے سب روحانیت کا اہتمام
میں ہوں شاعر کیوں نہ اعلیٰ ہو مرا فکری مقام
بس یہی میرا طریق بند گاہ ہے اے ضمیر
ذکرِ خالق ہے مری لوکِ زبان پر صبح و شام

تری الفت کے رشتے اس طرح سے ٹوٹ جاتے ہیں
کہ جیسے دل میں چھالے پڑتے ہیں اور پھوٹ جاتے ہیں

اسرارِ معرفت کا سمندر ضمیر ہے
ہر منزلِ حیات کا رہبر ضمیر ہے
خونِ جگر ٹپکتا ہے جس کے کلام سے
وہ زندگی شناس سخنور ضمیر ہے

ناقدِ ریحی سخن کی ہے غمناک داستاں
مرنے کے بعد سر پہ بٹھاتا ہے یہ تہاں
قلو ہنر بقدرِ ہنر بھی نہیں ضمیر
افسوس اہلِ ذوق کا کیا کیجے بے

دیبِ پلکوں پہ جاگم گاتے ہیں
زخمِ دل جب بھی مسکراتے ہیں
جھوٹے بادِ بہار غم کے ضمیر
باغِ ہستی کو ہلہلاتے ہیں

گاشنِ فکر میں ضمیر اپنے
سکتی رنگیں بہار آئی ہے



صدائے ضمیر

جناب خواجہ ضمیر صاحب کے اٹوار قلمت درانہ ہیں۔ میں کم از کم تیس سال سے ضمیر شناس رہا ہوں۔ ان کی طبیعت کی یکسانیت تعریف و وصلہ سے بے نیازی۔ نہ کسی سے یارانہ۔ نہ کسی سے دشمنی، کسی سے ملے تو خیریت پوچھ لی!۔ یہ سب کی بعضیں ٹٹولتے ہیں، چونکہ پیشہ طب ہی ان کی روٹی کا ذریعہ ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں ان کی بعض کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ کوئی خیریت دریافت کرنے والا۔ انے اور اپنے متعلقین کے دکھوں کا مداوا ہی ان کی زندگی ہے بقول ان ننھے نہ مجھ کو ڈوبنے کا غم، نہ مجھ کو خوف طوفان ہے مری کشتی وہ کشتی ہے، خدا جس کا نگہباں ہے ایمان و ایقان کی یہ پختگی، انسان کو ایک کردار عطا کرتی ہے اور جو۔

بے ضمیر ہوتا ہے اُس کے کردار کی بات ہی کیلئے ہے! ۹

”صدائے ضمیر“ انہی احساسات پر مشتمل، مجموعہ ہے۔ ہم عموماً بڑے ناموں اور دُور کے ڈھولوں کی آوازوں پر کان لگانے اور آنکھیں پچانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ خواجہ ضمیر ایک چھوٹا نام ہے۔ آپ ضمیر کو پڑھیں گے تو محسوس ہوگا، آپ کا ضمیر کس کس مقام پر آپ کو کچھو کھو لٹکے گا۔ شرط، بلا تحفظ ذہنی پڑھنے کی ہے!

مسلم خوشنویس عفی عنہ